جلد 19 شمارہ 12 ماہ دسمبر 2017ء ربیع الاول 1439ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈار رحمۃ اللہ علیہ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب **محمد یعقوب توحیدی**
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر	احمد رضا خان 0321-6400942
معاون مدیر	خالد محمود بخاری 0300-7374750
نائب مدیر	سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: **فہد محمود ، محمد ریاض**

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ❁❁❁ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

اسلام میں عورت کامقام

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

ایک اور دلچسپ مسئلہ عورت اور مرد کی مساوات کا ہے ۔غیر اسلامی دنیا میں یہ مسئلہ عورت کی بے مہار آزادی سے پیدا ہوا ،لیکن اسلامی دنیا میں عوام کی جہالت اور قرآن سے بغاوت کے سبب ظہور میں آیا ہے ۔اسلام سے پہلے عورت عام طور پر نہایت حقیر اور ذلیل شے خیال کی جاتی تھی اور معاشرہ میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی ،مگر اسلام نے عورت کو جو حقوق عطا فرمائے اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے جس عزت کا سلوک اپنی عورتوں سے کیا اس کی تقلید میں دوسری قومیں رفتہ رفتہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے لگیں اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آج ان کی عورتیں ہر لحاظ سے مردوں کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتی ہیں ۔ برخلاف ازیں مسلمانوں میں زوال کے ساتھ ساتھ عورت پھر ایک بے زبان جانور بن گئی ۔اب پھر اس کا ردِ عمل شروع ہوا ہے اور اکثر تعلیم یافتہ عورتیں یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ اسلام کی نظر میں عورت اور مرد ہر لحاظ سے برابر ہیں ۔اسی بناء پر اب یہ مطالبہ بھی شروع ہو گیا ہے کہ حکومت کے نظم ونسق میں عورتوں کو ان کی تعداد کے لحاظ سے متناسب حصہ دیا جائے ۔ہماری رائے میں جہاں تک عورت کی کسمپرسی اور مرد کے اس پر ظلم وستم کا تعلق ہے ،معاشرہ اور حکومت کا فرض ہے کہ قانوناً اور اخلاقاً جتنی جلدی ہو سکے عورت کو پھر اس مرتبہ پر پہنچا دیا جائے ، جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمایا ہے ،لیکن جہاں تک ''ہر لحاظ'' سے مساوات اور حکومت کے نظم ونسق میں نمائندگی کا سوال ہے ، ہم اس سے متفق نہیں ۔اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کو جو مساوات عطا فرمائی ہے وہ حقوق سلوک اور عزت ومحبت کی مساوات ہے ،نظم ونسق حکومت یا امورِ خانہ داری میں فرائض اور تقسیم کار کی مساوات ہرگز نہیں ہے ۔

قرآن میں حتمی اور قطعی الفاظ میں جا بجا مسلمان مردوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے

ساتھ حسن سلوک، عزت اور انصاف سے پیش آئیں ۔ان کے کھانے پینے ،لباس ،مکان اور دوسری ضروریات زندگی کا پورا بندوبست کریں اور ان کو ہمیشہ خوش رکھیں ۔جس گھر میں عورت خوش نہیں رہتی اس گھر پر حزن وملال ، پھٹکار اور لعنت برستی رہتی ہے ۔ایسے گھر میں پرورش پانے والے بچے بھی نہایت بدمزاج ، بدذوق ، چڑچڑے اور بددماغ اٹھتے ہیں ۔رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کی بداخلاقی پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ثواب عطا فرمائے گا جتنا حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی مصیبت پر عطا فرمایا ۔بتایئے ! اس سے زیادہ اچھے سلوک کی تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے،لیکن مسلمان اس تعلیم پر عمل ہی نہ کریں تو مذہب کا کیا قصور ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ۔228)

یعنی ”عورتوں کا مردوں پر ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کا حق عورتوں پر ہے“

حقوق میں عورت اور مرد کی برابری کا اعلان اس سے زیادہ واضح اور کیا ہو سکتا ہے ۔دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے ”عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو“۔ان الفاظ میں مرد عورت کی معاشرتی مساوات ،ہمسری ،ہمرازی اور پیار ومحبت سے رہنے کا جو قرینہ پایا جاتا ہے ، کیا دنیا کا کوئی ادیب اس سے بہتر الفاظ میں یہ تاثر پیدا کر سکتا ہے؟ مگر خوب یاد رکھنا چاہئے ! کہ یہ تمام مساوات وہمسری صرف معاشرتی ہے ۔جہاں تک ملکی نظم ونسق یا امور خانہ داری میں تقسیم کار کا تعلق ہے، وہاں عورت کی حیثیت ایک متاع محبوب اور مرد کی حیثیت ایک نگران وسرپرست کی ہے ۔چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ ”عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں“ ۔ظاہر ہے کہ کھیتی اور کسان میں کسی حیثیت سے بھی کوئی مساوات نہیں ،لیکن کھیتی سے زیادہ کسی کسان کو اور کوئی چیز پیاری بھی نہیں ہو سکتی ۔کھیتی اصل اور بنیاد ہے تمام دولتوں کی ۔انسان قیمتی مکانات وملبوسات ،سونا چاندی، روپیہ پیسہ اور ہیرے جواہرات کھا کر ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا ۔ایک کسان مہینوں اپنا خون پسینہ ایک کر کے دن رات کی محنت ومشقت سے اپنی کھیتی کی خدمت ونگرانی کرتا ہے،تب جا کر اس سے متمتع ہوتا ہے ۔قرآن کریم میں ایک اور جگہ مرد وعورت کی اس حیثیت کو صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (النساء۔34)

یعنی"مرد عورتوں کے نگران ہیں"اکثر مترجمین نے قوام کا ترجمہ حاکم کیا ہے۔اس سے اکثر لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ عورت محکوم اور مرد حاکم کی حیثیت رکھتا ہے،اس لیے اسے اختیار ہے کہ عورت کو جس طرح چاہے دبائے اور ستائے۔یہ خیال صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کے دماغ میں مسلمانوں کی موجودہ حکومتوں کے حاکموں کا تصور بسا ہوا ہے۔حالانکہ قرآن کریم کی روشنی میں دیکھا جائے تو حاکم عوام کا خادم ہوتا ہے،حاکم کا کام عوام کو دبانا اور ستانا ہرگز نہیں۔حاکم کا کام تو عوام کی ضروریات زندگی کا انتظام کرنا ، نظام زندگی کو قائم رکھنا، دشمنوں سے حفاظت کرنا، مظلوموں کی دادرسی کرنا اور ہر لحاظ سے ان کی خدمت کرنا ہے۔انگلستان وغیرہ میں آج بھی حکام کو پبلک سرونٹ یعنی عوام کا خادم کہا جاتا ہے،اس لئے اگر لفظ قوام کا ترجمہ حاکم ہی کیا جائے تو بھی کوئی برا پہلو نہیں نکلتا۔خلفائے راشدین کی حکومت سامنے ہے،کیا وہ ایسے ہی حاکم قوم تھے جیسے کہ آج ہوتے ہیں ، خلفائے راشدین کا تو ذکر ہی کیا،متمدن عیسائی ممالک بھی ایسے بددیانت ، ظالم اور فرعون صفت نہیں ہوتے جیسے کہ عام طور پر اسلامی ممالک میں ہوتے ہیں۔
خلاصہ اس تمام تقریر کا یہ ہوا کہ معاشرتی لحاظ سے مرد اور عورت میں جو مساوات ہے،انتظامی امور مملکت اور خانہ داری میں وہ مساوات باقی نہیں رہتی۔جذبات کی رو میں کوئی کچھ بھی کہے یہ حقیقت بدل نہیں سکتی کہ عقلی طور سے نہ سہی جسمانی لحاظ سے عورت بہت کمزور اور نازک ہے۔ خصوصاً بچے جننے کی وجہ سے ہر وضع حمل کے بعد کافی عرصہ تک وہ سلطنت کے انتظامی امور کو ہرگز اس خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے سکتی جیسے کہ مرد دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک ان معاملات میں عورت نے کوئی قابل ذکر حصہ نہیں لیا۔اگر خال خال کبھی عورتوں نے عدالت،پولیس یا فوج وغیرہ میں کوئی نمایاں کام کیا بھی ہے تو وہ الشاذ کالمعدوم کے مصداق بطور ایک اصول کے پیش نہیں کیا جا سکتا اور اگر یہ بات بطور ایک اصول قانوناً تسلیم کر لی جائے تو معاشرہ کو بجائے فائدے کے نقصان پہنچے گا،مثلاً اس حالت میں عورتیں امور خانہ داری کو

کماحقہ انجام نہ دے سکیں گی اور گھر کا نظام ختم ہوجائے گا تو پھر یہ ہوگا کہ

کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جاکر

دوسرے یہ کہ اگر پولیس اور فوج میں بھی عورتوں کو برابر کا حصہ مل جائے تو ایسی پولیس اور فوج کا جو حشر ہوگا، ظاہر ہے! تیسرا یہ کہ اس طرح مرد و زن کے بے غل وغش اختلاط سے جو خرابیاں پیدا ہوں گی ان کی روک تھام ناممکن ہوجائے گی۔ یورپ اور امریکہ وغیرہ میں اس اختلاط سے جو معاشرتی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں ان سے وہاں کے باشندے خود پریشان ہیں۔ چوتھے یہ کہ آج بھی جو غریب عورتیں دفاتر میں بہ مجبوری یا بہ خوشی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں ان کی زندگی ہی کون سی آرام دہ ہے۔ وہ مخدرات ومحصنات جو اپنے گھروں میں عزت اور خوشی کی زندگی بسر کرتی ہیں، ان میں سے کوئی بھی دفاتر کی ان ملازماؤں پر رشک نہیں کرتی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر چند محکمے صرف عورتوں کے لئے ہی مخصوص کردیے جائیں مثلاً زنانہ مدرسوں اور کالجوں، زنانہ جیل خانوں اور زنانہ ہسپتال وغیرہ کی سب کارکنیں صرف عورتیں ہی ہوں تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ عورتوں کے معاشرتی اور ذہنی معیار کو بلند کرنے میں بیش بہا مدد ملے گی۔

باوجود ازیں اسلام عورت کو اتنی بھی آزادی نہیں دیتا کہ وہ خاوند کی نافرمانی یا اس کی خدمت سے پہلو تہی کرے یا جیسا کہ آج کل ہمارے اعلیٰ طبقے کے اکثر گھرانوں میں انگریزوں کی تقلید میں کیا جاتا ہے کہ بیگم صاحبہ آگے آگے اور خاوند باادب ہاتھ باندھے ان کے پیچھے پھرتے ہیں اور بیگم صاحبہ کے حکم کے بغیر کوئی جائز سے جائز کام بھی نہیں کرسکتے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر خدا کے سوا اور کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کرے۔ الغرض یہ ہے اسلام میں خاوند اور بیوی کا درجہ کہ خاوند بیویوں کی عزت کریں، محبت سے پیش آئیں اور ان کی ضروریات خوشی خوشی پوری کریں۔ اسی طرح بیویاں اپنے خاوند کی پوری عزت کریں، ان سے محبت سے پیش آئیں اور امور خانہ داری بخوشی سرانجام دیں۔ بچوں کی پرورش کریں اور خاوند کا ہر حکم مانیں اور اس کی خوشی پر اپنی خوشی قربان کردیں۔

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

مرتب: سید رحمت اللہ شاہ

الحمدللّٰہ! الحمد للّٰہ ربّ العالمین. الصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا و مولانا محمد سید المرسلین و رحمۃ للعالمین. السلام علینا و علیٰ عباد اللّٰہ الصالحین. اما بعد قال اللّٰہ تعالیٰ فی قرآن الحکیم ۔ اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِينٍ ۔ صدقاللّٰہ العظیم○

برادرانِ کرام! آج ہم بنی نوعِ انسان کے سردار، انبیائے کرام کے سالار، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دنیا میں ظہور کی خوشی منانے کے لئے یہاں مل بیٹھے ہیں۔ انسانی تاریخ میں اس دن سے بڑھ کر روز سعید بھلا اور کون سا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورا عالمِ اسلام عید میلاد کی خوشیاں منانے کے لئے آپ کے ساتھ شریک ہے۔ اس میں مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے، بچے بھی شامل ہیں۔ اس میں علمائے کرام ہی نہیں بلکہ ان کی قیادت میں تمام مسلمان بہ حسبِ توفیق حصہ لیتے ہیں۔ جگہ جگہ سیرت پاک کی محفلیں، نعتیہ مشاعرے، اور حمد و نعت کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ مساجد کو جہاں رنگا رنگ روشنیوں سے سجا کر تذکرہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفلیں ربیع الاوّل کے پورے مہینے میں جاری رہتی ہیں۔ گھر گھر حضور نبی کریم ﷺ

(باباجانؒ نے حکم دیا: بلند آواز سے درود شریف پڑھا کریں۔ جب بھی حضورﷺ کا نام آئے تو بلند آواز سے صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کریں)۔حضورﷺ کی روحِ مبارک کے ایصالِ ثواب کی نیت سے قرآن خوانی کے ساتھ ساتھ مٹھائیاں اور اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے بھی تقسیم کیے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ درست ہے اور اہلِ ایمان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو محبت پیوست ہے، یہ ایک بیش بہا دولت ہے، نعمت ہے۔ یہ تمام باتیں اس کا صرف جزوی اظہار ہیں۔ الحمد للّٰہ عید السعید کا یہ دن ہر سال نئی آب و تاب لیے ہوئے آتا ہے۔ اس کی تقریبات کے رنگ ڈھنگ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کرنے والوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے اور یہ بڑھتا ہی چلا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنہیں رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے ان کی رحمت سے دنیا کا کوئی گوشہ محروم نہیں رہے گا اور ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب سارا عالم رحمت عالمﷺ کی رحمت کے سایہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گا اور پوری انسانیت اس دن کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے پکار اُٹھے گی کہ

حلقہ ءِ دوراں میں ہے یہ دن زیرِ نگیں
تشریف لائے آج کے دن رحمۃ للعالمین

اب ہمیں ذرا سنجیدگی کے ساتھ اس امر پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا حضور نبی کریمﷺ کی بعثت کا یہی مقصد تھا۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں آپﷺ کے منصب رسالت کے بارے میں کیا حقائق بیان کیے گئے ہیں اور کیا ہم ذاتی اور قومی اعتبار سے اس کردار کے حامل ہیں جو مردِ مومن کے شایانِ شان ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ مجھے اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ میں بہترین اخلاق کو کمال عطا کروں۔ اس خطبہ کے شروع میں سورۃ التوبہ کی جو آیت تلاوت کی گئی ہے ذرا اس کا مفہوم ملاحظہ فرمایئے۔ یہ اس طرح ہے:

''اے بنی نوع انسان تم ہی میں سے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسولﷺ آیا ہے وہ تمہاری بھلائی کے لئے اتنے حساس ہیں کہ تمہیں نقصان پہنچانے والی ہر چیز ان پر گراں گزرتی

ہے۔پوری انسانیت پرخواہ کوئی بھی ہو جو چیز تمہیں نقصان پہنچاتی ہے وہ ان پر گراں گزرتی ہے اور تمہاری نفع والی ہر چیز کے لئے وہ حرص وطمع رکھتے ہیں۔اور اہل ایمان پر تو خصوصی طور پر شفیق و مہربان ہیں۔وہ تو عوام الناس کے لیے ہے لیکن اہل ایمان جو ہیں ان کے لئے خصوصی طور پر شفیق ومہربان ہیں تاکہ ان کے قلوب کو انوار محبت سے، انوارِ نبوت سے جگمگادیں جس سے انہیں مقصود حیات کا شعور حاصل ہو جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کے حصول کے لئے محو پرواز ہو جائے۔یہ ہیں لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ۔ کے معنی۔اس ہدایت کے تناظر میں دیکھیے کہ کیا ہمارے دل بھی حضور علیہ الصلوٰۃ کی رحمت اور برکت سے معمور ہیں، اگر نہیں ہیں تو اس کا مطلب اس کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا کہ ہم نے صرف سطحی محبت کو حقیقی سمجھ لیا ہے۔محبت کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے معبود کی شفاعت کے رنگ میں رنگ جائے۔اس کے طواف کو اپنے اندر سمونا چاہتا ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ۔ اللہ سے محبت کی جائے کہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرنی چاہیے۔اس کے بغیر بیعت نہیں ہوسکتی کہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کروں گا۔اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ سے۔اس کو بڑھاتے رہو حضور ﷺ نے فرمایا محبت کرتے رہو اللہ سے۔اللہ کی راہ پر چلنے سے اخلاق بھی اچھا ہوگا۔اللہ کی عادتیں آئیں گی۔تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ۔ اپنے اندر اللہ جیسے اخلاق پیدا کرو۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صِبْغَةَ اللّٰهِ۔اللہ کا رنگ۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوسکتا ہے۔وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۔ اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔اسی سے اپنا تعلق رکھتے ہیں یعنی بہترین رنگ کے لئے یہ ضروری ہے کہ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ یعنی شدید محبت اور خلوص کے ساتھ اللہ کی بندگی کی جائے۔اس محبت کے ساتھ۔اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔سب سے زیادہ محبت مومنوں کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ۔خلوص کے ساتھ اللہ کی بندگی کی جائے۔

دوسری آیت جو بیان کی گئی ہے سورۃ آلِ عمران کی اس آیت میں فرمایا گیا۔یہ آیت

قرآن میں چار مرتبہ آئی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی آیات بیان کرنے اور دلوں کا تزکیہ یعنی صفائی کرنے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کو مقاصدِ رسالت میں بیان کیا گیا ہے کہ حضورﷺ اس لئے آئے کہ یَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. اس میں وَيُزَكِّيهِمْ کا مطلب ہے کہ مانجھنا۔ جو گرد وغبار ہے تو اس کو مانجھا جاتا ہے کہ اس کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کو تزکیہ کہتے ہیں۔ اس آئینے میں بھی ہمیں اپنی حالت کا مشاہدہ کرنا چاہیے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم جسے اللہ میاں نے ہم پر فرمایا ہے، اس احسانِ عظیم سے کہاں تک اپنی زندگی کو بدل کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی حاصل کی ہے۔ اس مقدس مشن اور اعلیٰ ترین منصب کے حصول کے لئے انسانیت کو ایک عملی نمونہ کی ضرورت تھی جسے دیکھ کر اور جس کے اتباع کی برکت سے ہر انسان اللہ تعالیٰ کی محبت کے رنگ میں رنگا جائے اور دارین میں سرخرو ہو جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم فرمایا: قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ اے میرے حبیب! آپﷺ سب کو بتا دیں۔ اعلان کر دیں۔ اگر تم اللہ کی محبت کے طلب گار ہو، تمہیں اللہ کی محبت چاہیے، تو ماڈل میں ہوں۔ میرا اتباع کرو۔ اس کے بغیر نہیں ہے۔ ایک ہی راستہ ہے۔ فَاتَّبِعُونِي. فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ . اللہ تم سے پیار کرے گا۔ محبت کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ محبوب بھی ہمارے ساتھ پیار کرے۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ میری اتباع میں چلو گے تو خدا تم سے پیار کرے گا۔ کیونکہ سب سے بلند مقام عبدیت ہے اور حضور نبی کریمﷺ ہی اس مقام پر فائز ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا: اَنَا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ . کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں۔ اس لئے گزشتہ اُمتوں کی طرح میری شان میں غلو نہ کرنا۔ تم مجھے عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ہی کہنا۔ کلمہ شہادت میں پڑھتے ہیں: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. عبدیت میں کمال حاصل کر کے اللہ کے رنگ کے حصول کی تمنا ہو تو پھر اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ عَبْدُهٗ کا اتباع کیا جائے۔ علامہ کہتا ہے:

؎ عبد دیگر عبدہٗ چیزے دیگر ایں سراپا انتظار

'**عبد**' اور ہوتا ہے اور '**عبدہٗ**' یعنی اس کا بندہ اور ہوتا ہے۔عبدہٗ اور ہے۔یہ اسی کا بندہ ہے۔ہم تو حرص وہوا کے بھی بندے ہیں ۔ دل میں خواہشات کے بھی بندے ہیں۔ اللہ والوں کے بھی بندے ہیں ۔ہمارے دل کی کیا بات ہے۔ہمارے دلوں میں اور بھی بڑے ہیں۔ حضورﷺ نے فرمایا: عبدہٗ اور ہوتا ہے۔وہ اسی کا بندہ ہوتا ہے۔فرمایا کہ راستہ یہی ہے کہ عبدہٗ کا اتباع کریں۔

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے رنگ کے لئے اللہ سے شدید محبت شرط ہے اسی طرح عبدہٗ سے۔حقیقی اتباع کے لئے اللہ تعالیٰ کے بعد عبدہٗ کی محبت کو جزوِ ایمان بنانا پڑتا ہے۔یہی دین سکھاتا ہے۔یہ دین اسی پر لگاتا ہے۔

مغزِ قرآں، روحِ ایماں، جانِ دیں
ھست حُبِ رحمۃ للعالمین

یہ سارا دین، سارا کچھ یہی پڑھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی جائے۔اللہ نے کہا کہ میرے رسولﷺ کی اطاعت ہی میری اطاعت ہے۔میں تو تمہارے پاس نہیں آیا کوئی حکم لے کر انہوں نے ہی بتایا۔یہ تمہیں راستہ بتائیں گے۔یہ تمہیں میرے آستانے تک پہنچائیں گے۔ ان سے محبت کرو گے تو تمہیں فیض ملے گا۔

محبت کی ایک چنگاری سے ہی دل سراپا نور بن جاتا ہے۔انسان کے اندازِ فکر اور طرزِ حیات میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔اسی لئے عید میلاد کی پرنور مجالس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور حضور سیدنا محمد الرسول اللہﷺ پر درود وسلام کی برکات سے جو جو سوز و گداز پیدا ہوتا ہے ہمیں چاہیے کہ اس سے اپنے اخلاق و کردار کو اپنے آقا علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھالنے کا کام ہو، تاکہ ہمیں پھر سے قرونِ اولیٰ والا مقام حاصل ہو جائے۔اسلام میں تمام عقائد وعبادات کا مقصد انسان کے اخلاق و کردار کو بدلنا ہے۔جیسے علامہؒ نے فرمایا ہے:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہ توحید کبھی آج کیا ہے؟ فقط ایک مسئلۂ علم و کلام

روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو خود مسلماں سے پوشیدہ ہے مسلماں کا مقام

کلمہ پڑھنے والا ابھی نہیں سمجھ سکتا کہ لا الہ الا اللّٰہ جو پڑھا ہے یہ کتنی بڑی بات ہے۔ علامہؒ کہتے ہیں کہ

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

یہ تو اپنی جان قربان کرنے والی بات ہے کہ آج سے میری خواہشات، میرے ارادے، سب بند ہو گئے ہیں۔ یہ اللہ کے تحت کر دیے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وِاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تیری ہی بندگی کریں گے۔ تیرے ہی حکم پر چلیں گے۔ یہ شہادت اپنا سب کچھ چھوڑ کے شہید ہونے والی بات نہیں ہے۔ بیعت کا مطلب ہے 'بیچ دینا'۔ مرشد نے بیعت لے لی تو یہ بیعت اللہ سے عہد ہے کہ میں ان کو گواہ بنا کے، میں انصاری صاحبؒ کو گواہ بنا کر اللہ سے عہد کرتا ہوں۔ بیعت باباجیؒ سے کی ہے، عہد اللہ سے کیا ہے۔(عہد) ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ ہم تو سرکاری گواہ ہوں گے کہ جو عہد کیا اسے پورا کیا۔ ہم کچھ نہیں کہیں گے لیکن جس کے ساتھ عہد کیا ہے وہ ضرور پوچھے گا۔ مسلمانی یہ ہے۔ علامہ یہ بھی کہتا ہے۔

چومی گویم مسلمانم بلرزم

جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں لرز جاتا ہوں، کانپ جاتا ہوں۔

کہ دانم مشکلات لا الہ را

مجھے لا الـہ کی مشکلات کا پتا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں۔ کہاں تک جانا پڑتا ہے۔ کدھر آدمی کو پہنچنا پڑتا ہے۔ مجھے لا الـــہ کے معنوں کا پتا ہے۔ میں کہتا ہوں مسلمان ہوں تو میں لرز جاتا ہوں۔ کہ دانم مشکلات لا الہ را۔ لا الہ کتنا مشکل مقام ہے۔ وہ کلمہ طیبہ جو صرف زبان سے ادا ہو، محبت اور التفات کے وہ دعوے جو گلے سے اوپر ہی اوپر ہوں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا، ہمارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ یَا اَیُّهَا الرَّسُولُ لَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْا آمَنَّا

بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۔(سورۃ المائدہ ۵۔ آیت ۴۱) حضرت سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا

دل دا پڑھدا کوئی ہُو

اللہ نے فرمایا کہ اے میرے رسول ﷺ آپ ان لوگوں کے بارے میں غمگین نہ ہوں جو کفر میں دوڑ دوڑ کر دیکھ رہے ہیں۔ بظاہر دعوے مسلمانی کے ہیں مگر وہی کفر مقام ہے۔ دوڑ دوڑ کر دیکھ رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صرف زبان سے دعویٰ کیا ہے کہ ہم ایمان لائے لیکن ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ ان کا یہی حال ہوگا۔ ان کی آپ فکر نہ کریں۔ آئے دن زبانی دعوے والے چھلانگیں لگا کے جدھر موقع ملا چھوڑ چھاڑ کے اپنے مفادات کے لئے چلے جاتے ہیں یہ سورۃ المائدہ کی آیت ہے۔ پھر سورۃ العنکبوت کے شروع میں یہ فرمایا گیا کہ:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۔(سورۃ العنکبوت: آیت ۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ صرف اس بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ انہوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لائے۔ اور کیا ان کو آزمایا نہیں جائے گا؟ ہر ایک کو آزمایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۵۵ میں فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

یہ سارے ٹیسٹ اس نے تمہارے لئے رکھے ہیں۔ یہاں ایمان کا ٹیسٹ ہوگا پھر اللہ کی دوستی ملے گی۔ پھر ولایت میں تمہیں داخلہ ملے گا۔ فرمایا: وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۔ یہ ٹیسٹ دیے اور آیت پوری نہیں ہونے دی اور فرمایا: وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۔الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ ۔ ان کو بشارت دے دی۔ ایسے بندوں کو۔ ظاہر ہے جو مرضی ٹیسٹ ہوتے رہیں وہ یہی کہتے ہیں: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ ۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم بھی اللہ کے ہیں اور یہ مال و متاع بھی اسی کا دیا ہوا ہے۔ ہمارا نہیں ہے۔ اصل مالک وہی ہے۔ ہمارے انجام کا اور ہمارے اعمال کا۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ میں بھی ارشاد ہوا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ

اللہ نے مومنوں سے ان کے مال اور جانیں خرید لی ہیں جنت کے بدلے۔
جنت لینی ہے تو مال اور جان ہمارے حوالے کردو۔ وہ ہے مسلمانی۔

أُولَـٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ.

(سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۵۷)

وہی جو ٹیسٹوں میں سے گزرتے ہیں انہیں پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ أُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ. یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ جن کی یہ سوچ بن جاتی ہے ان پر اللہ کا کرم ہوتا ہے۔ یہی ہدایت ہے جو روز مانگتے ہیں:

اِهدِنَــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ. صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنعَمتَ عَلَيْهِمْ. (سورۃ الفاتحہ:۷۔۶)

یہ انعام اور انہیں پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں جو اس میں ثابت قدم رہتے ہیں اور خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔ باباجیؒ نے فرمایا کہ صبر یہ ہے کہ خوشی سے برداشت کرنا۔ رو، دھو کے تو ساری دنیا صبر کر جاتی ہے۔ ہم صبر نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے۔ یہ صبر نہیں ہے۔ صبر وہ ہے جو خوشی خوشی کرے کہ میرے مولا کا شکر ہے۔ ہمیں آج پیغام آیا ہے۔ اس نے یاد کیا ہے کہ آؤ تمہارا امتحان لیتے ہیں اگلی کلاس میں۔ امتحان پروموشن کے لئے ہوتے ہیں۔ امتحان ترقی دینے کے لئے ہوتے ہیں۔

برادرانِ کرام! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی محبت والی زندگی کی راہ پر چلتے ہوئے اس کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا ہے۔ تمام پیغمبروں نے یہی بات اپنی قوموں کو بتائی۔ قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو ہر ہر صفحہ پر اس مقصودِ حیات کی تفصیل درج ہے تاکہ انسان حیاتِ ارضی اور شیطان کے فریب میں پھنس کر اللہ اور آخرت سے دور نہ ہٹ جائے، اسے بھلا نہ دے۔ اس منزلِ مقصود کو پانے کے لئے لمبی کہانیاں کریں گے تو پوری نہیں ہوں گی۔ سارا قرآن اسی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔ علامہ نے کہا ہے:

؎ مقام خویش اگر خواہی دریں دہر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ ﷺ رو

''اے مسلمان! اگر تجھے دنیا میں اپنی جگہ بنانی ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں بسا لو اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت کرو''۔

یہ تو بت خانہ ہے۔ہر طرف بت پھیلے ہوئے ہیں۔جس میں پھنس جاؤ گے وہی تمہارا خدا ہے۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ ۔ (سورۃ الفرقان ۲۵۔آیت ۴۳)

(اے پیغمبر ﷺ) تم نے اس کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

باہر کی تو بات بعد میں رہی کہ اس پر آئے اور وہ کرے۔اپنے اندر اس نے خدا بنا رکھا ہے۔یہ اس کی خواہش ہے۔اسی پہ چلتا ہے۔اللہ کے حکم پر نہیں چلتا۔اس کی جو خواہش ہے اس پر چلتا ہے۔ یہ تو بت خانہ ہے۔اردگرد۔اندر بھی تمہارے۔باہر بھی بت بنے ہوئے ہیں۔اپنا مقام چاہیے، اپنی ترقی چاہیے تو

؎ مقام خویش اگر خواہی دریں دہر

اس بت خانہ میں، جہان فانی کے صنم خانہ میں اگر اپنے حقیقی مقام کی طلب ہے تو 'بحق دل بند' دل کو اللہ کی طرف باندھ دے، اس سے رابطہ کر لے۔'و راہ مصطفیٰ ﷺ رو'۔اور راہِ مصطفیٰ ﷺ پر چل۔

مقام خویش اگر خواہی دریں دہر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ ﷺ رو

اس جہان فانی کے صنم خانے میں تجھے اگر اپنے حقیقی مقام کی طلب ہے تو اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے وقف کر دے اور حضور نبی کریم ﷺ کا اتباع کر۔یہی کامیابی کا راز ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العٰلَمِينَ۔

قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کے خطوط بنام: چوہدری محمد حسین

مورخہ: 26.05.1994

السَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ !

آپ کا ''دردنامہ'' موصول ہوا۔ آپ کے خیالات اور جذبات قابلِ قدر ہیں، لیکن مسلمانانِ عالم کی زبوں حالی کو بدلنے کے لئے کیا طریق کار اختیار کرنا چاہیے یہ سب سے قیمتی سوال ہے۔

ہم مُنسلکانِ سلسلہ تو حیدیہ، یہ سمجھتے ہیں کہ بانی ٔ سلسلہؒ کا مقصد محض پیری فقیری کرنا نہ تھا بلکہ اُمت کی نشاۃ ثانیہ کیلئے ایک تحریک شروع کرنا تھا اور اس کے بارے میں آپؒ نے اپنی تصانیف میں جابجا ذکر کیا ہے۔ میں نے بھی اسلامی تصوف میں یہی تحریر کیا ہے۔

باوجود ازیں آپ کا ذہن اس مسلک سے مطمئن دکھائی نہیں دیتا حالانکہ بانیٔ سلسلہؒ نے چراغِ راہ میں لکھا ہے کہ جمال الدین افغانی، سر سیّد احمد خاں، مولانا مودودی، علامہ مشرقی کی تحریکوں کا مطالعہ کیا اور اُن کی ناکامی کی وجوہات پر غور کرنے اور صحیح نتیجہ اَخذ کرنے کے بعد سلسلہ کی بنیاد رکھی۔ بہرحال چونکہ آپ کا خط سلسلہ کی بنیادی پالیسی سے متعلقہ ہے، اس لئے تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں تاکہ دوسرے بھائی بھی استفادہ کر سکیں۔ آپ نے علامہؒ کے کلام سے جو انتخاب تحریر کیا ہے وہ اپنی جگہ درست ہے لیکن انہوں نے کردار سازی کیلئے تصوف، آہ سحر گاہی اور صحبتِ اہلِ صفا کی اہمیت گاہے بگاہے ضرور لکھی ہے اس پر بھی غور کرنا چاہیے۔

والسلام

مورخہ: 03.05.2003

السَلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ !

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! توحیدی بھائیوں کا سالانہ اجتماع بخیر وخوبی منعقد ہوا۔ خطبہ اس مرتبہ ذرا طویل تھا، مگر مجبوری تھی کیونکہ جس موضوع کا انتخاب کیا گیا تھا اس پر حتی الوسع مکمل روشنی ڈالنا تھی۔ جب لکھنے بیٹھے تو پھر بات لمبی ہوگئی۔ حالانکہ میں نے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کا متن درج نہیں کیا اور صرف ترجمہ پر ہی اکتفا کیا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو بارآور فرمائے۔ اور جو پیغام ہم اُمت مسلمہ کو دے رہے ہیں اس کو پذیرائی عطاء ہو اور ہم پھر سے خیرالامت کہلانے کے اہل بن جائیں۔

جس طرح سکولوں کے امتحانات اگلے درجات میں ترقی دینے کے لئے ہوتے ہیں اسی طرح روحانی آزمائشیں بھی ترقی درجات کیلئے ہی ہوتی ہیں۔ امتحانات انہی کیلئے ہوتے ہیں جو اس کیلئے تیار ہوتے ہیں اور نیکی کی راہ میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور داخلہ فیس بھی جمع کروا دیتے ہیں۔ ابراھیم علیہ السلام کی طرح جنہیں آزمائشوں کے بعد ''امام الناس'' بنادیا گیا اگر موجودہ ملت ابراہیمؑ بھی ''امامتِ ناس'' کی تڑپ دل میں رکھتی ہے تو پھر ''براہیمی نصاب'' کو اپنالے اور اپنے آپ کو امتحان کیلئے پیش کردے لیکن فی الحال تو کسی سمت سے آوازہ حق بلند نہیں ہوا۔ اگرچہ حالات کا تقاضہ یہی ہے کہ اُمت اپنے مقام کو پہچان لے اور اپنے منصب کو سنبھالنے کیلئے تیار ہو جائے۔ خطبہ کے بیک کور پر جو علامہؒ کی نظم چھاپی گئی، اس میں بھی بڑا اچھا پیغام ہے۔ بات تو عمل کی ہے۔ دیکھیں! وقت کی پکار پر کون لبیک کہہ کر میدان میں اُترتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرتے رہیں اور اس فکر کو آگے بڑھانے کیلئے بھی کوشاں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اپنا پروگرام اور اس کا نظام الاوقات ہوتا ہے۔ اپنے وقت پر اور ٹھیک وقت پر اس کا ظہور ہوگا۔

والسلام

اسوۂ نبوی ﷺ اور ہماری زندگی

(محمد انصار اللہ قاسمی)

زندگی، اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، اس نعمت کی حفاظت اور قدر دانی صرف یہ نہیں ہے کہ "حفظانِ صحت" کے اصولوں اور ضابطوں کا پورا پورا اہتمام کیا جائے، سختی سے ان کی پابندی کی جائے، بلکہ زندگی کی اصل قدر دانی یہ ہے کہ "الٰہی اصولوں" اور خدائی ضابطوں" کے مطابق گزاری جائے، زندگی پوری اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری اور اُس کی اطاعت وفرمانبرداری میں بسر ہو، زندگی گزارنے کے ان "خدائی ضابطوں" کو زبانی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی سمجھانے اور بتانے کیلئے انبیاءِ کرام کی تشریف آوری ہوئی، انبیاءِ کرام نے اپنی آسمانی تعلیمات اور ہدایات میں زندگی کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کا احاطہ کیا، افکار ونظریات سے لے کر خیالات وجذبات، احساسات اور نفسیات تمام چیزوں کو خدائی تعلیمات کا پابند بنایا ہے، زندگی کے تمام نشیب وفراز، خوشی، غمی، امیری، فقیری، تندرستی، بیماری، دوستی، دشمنی، غصہ وناراضگی وہمدردی وغم خواری، غرض یہ کہ زندگی کے تمام مراحل میں انسان کو اپنے پروردگار اور پالنہار کی رضا، خوشنودی کا پابند کیا، اسی لئے قرآن مجید میں، فرمایا گیا کہ تمہارے لئے زندگی گزارنے کا بہترین اسوہ اور نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی میں ہے۔ (الاحزاب:۲۱)

رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں اور نبوتِ محمدی ﷺ چونکہ تاقیامت پوری انسانیت کیلئے باقی اور کافی ہے، اس لئے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ زندگی کے ہر گوشہ اور پہلو سے کامل اور مکمل ہو، تاکہ دنیا میں جہاں کہیں انسان رہتے اور بستے ہیں ان سب کیلئے آپ ﷺ کی ذات لائقِ تقلید اور قابلِ عمل بن سکے، سیرتِ طیبہ ﷺ کا تعلق لکھنے پڑھنے اور سننے سنانے سے زیادہ ہماری عملی زندگی سے ہے کہ ہم نے کہاں تک اسوۂ نبوی ﷺ کو اپنی زندگی میں برتا اور اپنایا ہے؟ ایک مسلمان زندگی کے کسی پہلو پر جب کچھ سوچتا ہے یا کسی شعبہ میں قدم رکھتا ہے تو سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ اس بارے میں اسوۂ نبوی ﷺ کیا ہے؟ پھر وہ اپنا قدم آگے بڑھاتا ہے اور یہی حقیقت ہے، آپ ﷺ کو اپنی زندگی کا بہترین آئیڈیل اور نمونہ ماننے کی۔

یوں تو سیرتِ مبارکہ کے بہت سے گوشے اور پہلو ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں، تاہم غصہ اور ناراضگی، یہ بھی انسانی زندگی کا ایک پہلو ہے، اس پہلو کے لحاظ سے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس بارے میں اسوۂ نبوی ﷺ کیا ہے اور نبی ﷺ ناراضگی اور غصہ کا اظہار کب فرماتے تھے؟

حضرت حسنؓ بن علیؓ اپنے والد محترم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آپ ﷺ نے اپنے اوپر زیادتی کا کبھی بدلہ نہیں لیا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ اُمور کی پامالی ہونے لگے، جب اللہ کے احکام کی پامالی ہوتی تو آپ ﷺ سب سے زیادہ غضبناک اور ناراض ہوتے.......

ایک مرتبہ آپ ﷺ ایک غزوہ سے واپسی پر ببول کے درخت کے سایہ میں آرام فرما تھے، ایک مشرک نے دیکھا کہ آپ ﷺ تنہا آرام فرما رہے ہیں۔وہ اپنا بُرا ارادہ (قتل) کے ساتھ قریب آیا اور درخت سے لگی آپ ﷺ کی تلوار نکال لی، اتنے میں نبی کریم ﷺ بیدار ہو گئے، مشرک نے پوچھا: اے محمد ﷺ! بتاؤ آج تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے پورے اطمینان سے فرمایا: ''**اللہ**'' اس لفظ کو سنتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگا، تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی، نبی کریم ﷺ نے تلوار ہاتھ میں لیکر پوچھا: اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ مشرک نے جواب دیا: آپ ﷺ مہربان ہیں، معاف کرنے والے ہیں! اس پر آپ ﷺ نے اسکو معاف فرمادیا۔(ریاض الصالحین)

دوسری مثال یہ کہ ایک مرتبہ مکہ میں اعلیٰ خاندان کی خاتون فاطمہ بنتِ اسد چوری کے الزام میں گرفتار ہوئیں اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے قبیلہ کے ذمہ داروں نے سوچا چوری کے جرم میں خاتون کا ہاتھ تو کیا کٹے گا مگر خاندان کی ناک ضرور کٹ جائے گی اور ہماری مکہ میں نیک نامی اور عزت، وجاہت خاک میں مل جائے گی، پھر ان لوگوں نے خاتون کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے چہیتے غلام حضرت اُسامہؓ کو سفارش کیلئے تیار کیا، حضرت اُسامہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں جب سفارش کی بات رکھی تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور سُرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''اُسامہ! کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں مجھ سے سفارش چاہتے ہو؟ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کرکے فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ اگر ان میں طاقتور مالدار شخص جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی غریب کمزور جرم کرتا تو اس کو سزا دیتے،

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر چوری کرنے والی خاتون فاطمہ بنتِ اسد کے بجائے فاطمہ بنتِ محمد ﷺ بھی ہوتی تو میں اس پر بھی سزا نافذ کرتا۔" (ریاض الصالحین)

سیرتِ مبارکہ کی یہ دو مثالیں ہیں: جن میں غصہ و ناراضگی کا موقع و محل واضح ہے، وہ یہ کہ اگر اپنی ذات یا حیثیت تک کوئی ناگواری، تکلیف یا ایذاء رسانی کی بات ہوتی تو آپ ﷺ اس کو برداشت کر لیتے اور اس کا بدلہ نہ لیتے، البتہ دین و شریعت کی پامالی، بے حرمتی یا بے احترامی کی اگر بات ہوتی تو آپ ﷺ کو ذرّہ برابر برداشت و گوارا نہیں ہوتا اور آپ ﷺ ذرا بھی رعایت نہیں فرماتے۔

یہاں رُک کر ہمیں اپنی حالت اور طبیعت کا جائزہ لینا چاہیے اور اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ ہم نے دین و شریعت کے معاملہ میں اسوۂ نبوی ﷺ کو اپنی زندگی میں کہاں تک اپنایا ہے؟ اپنی ذات پر کوئی حرف آئے یا اپنے مقام و مرتبہ پر کوئی آنچ آئے تو ہم مرنے مارنے پر تُل جاتے ہیں اور اگر ہماری نگاہوں اور نظروں کے سامنے اسلامی تعلیمات اور احکامات کی پامالی و بے حرمتی ہو تو ہم خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، بچہ اگر کسی دن ٹیوشن ناغہ کر دے تو اس کی تنبیہ کی جاتی ہے، اسکول کا ہوم ورک کسی دن نہ کرنے پر ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے، شرارت کرنے پر بعض دفعہ مار پیٹ ہوتی ہے، قیمتی چیز کے ٹوٹ جانے یا گم ہونے پر غم و غصہ اور ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے، لیکن کیا کبھی بھول کر اور انجانے میں ہی سہی، ایسا بھی ہوا کہ بچہ یا ماتحت فرد کے نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ کی گئی ہو، کسی دن قرآن مجید کی تلاوت نہ کرنے پر ڈانٹ پڑی ہو، نبی کریم ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی پر غم و غصہ کا اظہار ہوا ہو، معاشرہ اور سماج میں تو شرعی احکام کی پامالی ہو ہی رہی ہے، مگر خود اپنے گھروں سے بھی تو اسلامی تعلیمات کا جنازہ نکلا جا رہا ہے، ہم ہی اس کو کاندھا دیتے ہیں اور بعض دفعہ "جلوسِ جنازہ" کے امیر اور قائد بھی ہم ہوتے ہیں، مگر کانوں پر جوں نہیں رینگتی اور یوں سمجھتے ہیں کہ ناک پر مکھی بیٹھی اور اُڑ گئی، اسوۂ نبی ﷺ کا پیغام یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھالیں اور سنواریں، اللہ کرے!! یہ پیغام ہمارے دل کے دروازے پر دستک دے، بجائے اس کے کہ طبیعت ہماری شریعت بن جائے اور ماضی قریب کے خدا مست بزرگ کے بقول: "شریعت ہماری طبیعت بن جائے۔" **آمین!**

نرم خوئی اور برد باری

(پیر خان توحیدی)

نرمی اور بردباری اخلاق انسانی کا وہ سدا بہار پھول ہے جس کی مہک دلوں کو مسحور کرتی ہے اور اپنی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے اور زندگی کے ہر میدان میں اس کی خوشبو اسے معطر بناتی ہے ۔معاشی اور معاشرتی زندگی کے معاملات میں سختی اور سخت گیری کی بجائے نرمی اور بردباری اختیار کی جائے ۔نرم اور شیریں گفتگو کے ذریعے ہر قسم کے حالات اور معاملات کا احسن طریقے سے حل نکالا جا سکتا ہے ۔نرمی اور خندہ پیشانی سے دوسروں کے سوالات کا جواب دینا ایسا طرزِ گفتگو ہے جو دلوں کو اپنی طرف راغب کرتا ہے ۔دشمنوں کو دوست بناتا ہے ۔ یہاں تک کے پتھر کو بھی موم کر لیتا ہے ۔اس صفت کا بدرجہ اتم ظہور ربّ کائنات سے ہوتا ہے کہ بندوں کو ان کی خطاؤں اور گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا ، انہیں ڈھیل دیتا ہے بار بار سمجھاتا ہے اور اپنی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے ۔ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''اللہ اپنے بندوں پر لطف و کرم فرماتا ہے اور ان کی روزی بند نہیں کرتا'' (شوریٰ ١٩)

اللہ ربّ العزت اپنی اس صفت کو اپنے بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ بھی نرمی اور رحم دلی کا ثبوت پیش کریں جو ان کی عزت اور عظمت کی دلیل ہے ۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

ترجمہ: '' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نرم خو ہے اور ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے''
(ریاض الصالحین)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنے بندوں سے یوں فرماتا ہے:

ترجمہ: ''انہیں چاہیے کہ اپنے بھائی بندوں کو معاف کر دیں (ان کے ساتھ نرمی اور مروت کا معاملہ کریں) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں بھی معاف کر دے''۔

بھلا کون ہے جسے اللہ تعالیٰ سے معافی درکار نہیں؟ ہر انسان خطاؤں کا پتلا ہے ۔

قدم قدم پر اس سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ باری تعالیٰ اس کی خطاؤں اور گناہوں سے صرف نظر کر دے، لیکن اس مٹی کے پتلے میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور نرم دلی کا جذبہ اس وقت بیدار ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو سامنے رکھتا ہے۔ کوئی شخص چاہے کتنا بھی آسودہ حال ہو پھر بھی زندگی کے نشیب و فراز میں کبھی نہ کبھی اسے کوئی پریشانی، کوئی مصیبت یا کوئی جسمانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس وقت وہ چاہتا ہے کہ اس کا کوئی غم گسار کوئی ہمدرد اٹھے جو اس کے زخموں پر رحم دلی کی پٹی لگائے اس کی تسلی و تشفی سے دل جوئی کرے۔ ایسے غم خوار کے لیے نبی اکرم ﷺ کی یہ خوش خبری ہے۔ ''جس شخص میں مندرجہ ذیل یہ تین خصلتیں ہوں گی اللہ ربّ العزت اپنے سایہ رحمت کو اس پر پھیلا دے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔

۱) کمزوروں کے ساتھ نرمی کرنا۔

۲) ماں باپ کے ساتھ مہربانی اور مروت سے پیش آنا۔

۳) خادم اور غلام پر احسان کرنا (ترمذی)

اس اخلاقی وصف کی تعلیم آپ ﷺ نے دوسرے الفاظ میں یوں فرمائی:

ترجمہ: کیا میں تجھے بتاؤں کہ کون شخص آگ پر حرام ہے اور کس پر آگ حرام ہے!

'' وہ شخص جو لوگوں سے قریب ہو، نرم خو اور آسانیاں پیدا کرنے والا ہو''

نرم خو اور نرم دلی کا پیکر خود رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک تھی۔ دعوت حق پھیلانے میں آپ ﷺ کو کیا کیا تکلیفیں اور اذیتیں نہ دی گئیں مگر آپ ﷺ نے اینٹ کا جواب پتھر سے کبھی نہیں دیا بلکہ ہمیشہ کلمہ خیر اور دعائے سعید سے دیا۔ اسی لیے کسی شاعر نے خوب کہا۔

سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دی

قرآن حکیم آپ ﷺ کی نرم دلی اور بردباری کی یوں شہادت دیتا ہے:

"اللہ تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ﷺ ان کے حق میں (یعنی اللہ کے بندوں کے حق میں) نرم مزاج واقعہ ہوئے ہیں اگر آپ ﷺ تند مزاج اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب آپ ﷺ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے"۔ یہ آیت مبارکہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ داعی حق کو نرم مزاج، بردبار رہنا چاہیے ورنہ تبلیغ کا اثر رائیگاں جاتا ہے۔ دعوت حق پیش کرتے وقت اس کی زبان سے محبت اور مٹھاس کے پھول جھڑنے چاہئیں۔ جیسا کہ سیدنا موسیٰؑ اور ان کے برادر سیدنا ہارونؑ کو اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ فرعون جیسے ظالم اور سنگ دل بادشاہ کو حق بات پیش کرتے وقت نرم لب ولہجہ اختیار کریں شاید وہ تمہاری نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔ قرآن کریم کی بلند اور پاکیزہ تعلیم میں داعی کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ تمہارا مخاطب اگر سخت اور درشت بات بھی کرتا ہے تو اس کے جواب میں تم بہتر اور بھلی بات کرو۔ عین ممکن ہے کہ اس کی دشمنی تمہاری دوستی میں تبدیل ہو جائے۔ سورۃ حٰم سجدہ آیت نمبر 34 میں یوں حکم ہوتا ہے۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ! نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہوسکتیں۔ آپ ﷺ بدی کا ایسی بات سے دفاع کیجیے جو اچھی ہو آپ ﷺ دیکھیں گے کہ جس شخص کی آپ ﷺ کے ساتھ عداوت تھی وہ آپ ﷺ کا گہرا دوست بن گیا ہے۔

آپ ﷺ کا حلم بردباری عفو درگزر نرم دلی اور نرم خوئی کا سب سے بڑا مظاہرہ فتح مکہ کے دن ہوا۔ وہ لوگ جنہوں نے مسلسل تیرہ سال آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو دکھوں تکلیفوں اور پریشانیوں سے دوچار کر رکھا تھا۔ آج وہ مکمل طور پر آپ ﷺ کی گرفت میں تھے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ کچھ بھی کر سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے جس فراخ دلی اور نرمی کا سلوک ان سے کیا وہ تاریخ انسانی کی ایک نادر مثال ہے۔ فضاء میں جب یہ صدا بلند ہوئی۔ اے قریش

کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں انہوں نے کہا، "اچھا، آپ ﷺ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحب زادے ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ تم پر کوئی سرزنش نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بدوی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسے پکڑ کر مارنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو اور وہاں پانی کا ڈول بہا کر جگہ پاک کر لو۔ تمہیں سختی کے لیے نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ راحت اور آسانیوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انتہائی شفقت سے اس شخص کو سمجھایا اور آدابِ مسجد بتائے جس سے اس پر مثبت اثرات مرتب ہوئے۔

اسی طرح کاروبار اور تجارت میں جو لوگ گاہک کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرتے ہیں ان کی تجارت پھلتی پھولتی ہے جبکہ درشت رویہ اختیار کرنے اور اکھڑ خوائی کرنے سے گاہک اپنا رخ پھیر لیتے ہیں۔ اور کسی دوسری طرف چل پڑتے ہیں۔ اسلام تو حکمرانوں کو بھی نرم رویہ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ قانون کو کمزور اور بے اثر بنا دیں بلکہ نرمی اس معنی میں ہے کہ وہ مظلوموں کی دادرسی کریں۔ یتیموں اور بیواؤں کے پرسانِ حال بنیں۔ بے کس اور بے بس انسانوں کی مدد کریں۔ عدل و انصاف کا ایسا نظام قائم کریں کہ ہر شخص سکھ اور چین کا سانس لے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے اپنے ہی گھر میں سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ اے اللہ جو میری امت کے کسی کام پر حاکم ہو اور ان پر سختی کرے تو، تو ان پر سختی فرما اور جو میری اُمت کے کسی کام پر حاکم ہو اور ان پر نرمی کرے تو تو بھی اس سے نرمی سے پیش آ۔

نرم خوئی اور نرم دلی زندگی کا وہ سنہرا اصول ہے جسے اختیار کرنے سے ایک مسلمان کی شان جھلکتی ہے اور وہ زندگی کے سفر میں نہ صرف اپنوں کیلئے بلکہ غیروں کے لیے بھی باعث رحمت

بنتا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج عدم برداشت، سختی، غصہ اور عدم بردباری سے ہماری معاشی، معاشرتی اور سیاسی زندگی تہہ و بالا ہو چکی ہے۔ گھروں، بازاروں میں فساد عدالتوں اور ایوانوں میں جھگڑے یہاں تک کہ مسجدوں اور عبادت گاہوں میں بھی امن اور سلامتی محفوظ نہیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اپنی کتاب **تعمیرِ ملت** صفحہ نمبر 237 **معاملات اور اخلاق و آداب** کے باب میں فرماتے ہیں: ''اگر کوئی آدمی اپنے کسی حق کو نرمی، خوش اسلوبی اور بخوشی خاطر ادا کر دے تو یہ اخلاق حسنہ یا خوش اخلاقی کہلائے گا۔ اور اس آدمی کو خوش اخلاق کہا جائے گا۔ لیکن جو آدمی سختی و درشتی، بدسلوکی کراہت یا لیت و لعل سے کرے تو اس طریقہ کو بد اخلاقی اور ایسے آدمی کو بد اخلاق کہا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نرمی اور بردباری ہی وہ خوبصورت اصول ہے جو انسانوں کے اخلاق کو سنوارتا ہے جس سے محبت اور پیار کی فضاء پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ رب العزت تمام مسلمانانِ عالم اور خصوصی طور پر توحیدی بھائیوں کو نرمی، بردباری اور خوش اخلاقی کے اصولوں کو اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ **آمین**

باباجی کا سالانہ دورہ ملتان

(محمد فیصل خان)

اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے ساتھ ہی اسکی ہدایت کا انتظام کر دیا تھا۔ ہر قوم کے لئے ہادی بھیجے گئے۔ جوان کو اللہ کا راستہ دکھاتے رہے اور ہدایت کا سامان پہنچاتے رہے۔ یہ مقدس سلسلہ حضور اقدس پر آ کر تمام ہوا۔ مگر انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ تو جاری تھا اور تا قیامت جاری رہے گا۔ چنانچہ یہ ذمہ داری اولیاء اللہ کے کاندھوں پر آ گئی اور یہ انبیاء کے وارث ٹھہرے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا قیام بھی خالصتاً اس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے عمل میں لایا گیا۔ بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے حکمت (تصوف) کو تمام عجمی الائشوں سے پاک کر کے عین شریعت محمدی ﷺ کے مطابق کر دیا۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے موجودہ شیخ محمد یعقوب توحیدی بھی اسی مشن کی ترویج کے لئے کوشاں ہیں۔ آپ 10 نومبر بروز جمعۃ المبارک ملتان تشریف لائے۔ گوجرانوالا کے بھائی شیخ محمد اکرم صاحب اور گکھڑ کے خادم حلقہ محمد عثمان صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔

باباجی کے استقبال کے لئے ملتان کے بھائی بائی پاس پر اکٹھے ہوئے اور باباجی کی آمد پر ان کے ہمراہ امین شاہ صاحب کے گھر پہنچے۔ دھند کی وجہ سے سفر کچھ لمبا ہو گیا مگر شیخ صاحب نے شاق طریقے سے ڈرائیونگ کی۔ بھائی باباجی سے اجازت لیکر روانہ ہوئے تا کہ باباجی آرام کر سکیں۔ نماز مغرب کے بعد ہی بھائیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر سے پہلے ہی کثیر تعداد میں بھائی پہنچ گئے۔ ذکر سے پہلے باباجی نے بات کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا حلقہ ایسا نہیں کہ ایک دفعہ بیعت ہو گئے تو پھر نہ پیر کو مرید کی خبر ہے نہ مرید کو پیر کی۔ سلسلہ توحیدیہ میں عمل کرو گے تو فائدہ ہو گا ورنہ مرید ہونا بیکار ہے۔ یہ بات یاد رکھیں۔ مرید ہونے کا مقصد ہونا چاہیے اور مقصد اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ جو تعلیم دی جائے اس پر عمل کیا جائے۔

ویسے بھی مسلمان فرائض کی ادائیگی کرے اور اللہ کی رضا والے کام کرے اور گناہوں سے بچے تو جنت اس کے پاس ہے۔ مرید ہونے کا مقصد سبقت لے جانے والوں میں شامل ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے سورہ واقعہ میں تین گروہ بیان فرمائے ہیں۔ دائیں والے، بائیں والے اور سبقت لے جانے والے۔ دائیں والے جنت والے ہونگے اور اس کے لئے بیعت کی ضرورت نہیں۔ بائیں ہاتھ والے خسارے والے ہیں اللہ تعالیٰ سب کو بچائے۔ اگر سبقت لیجانے والے یعنی آگے والے، اگر آگے والے نہیں بننا اور جو عمل مرشد نے بتایا ہے نہیں کرنا تو بیعت ہونا بے کار ہے۔ جتنے لوگ بھی سلسلہ توحیدیہ میں بیعت ہیں انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا ہے اور ہم تو گواہ ہیں۔ اگر قیامت والے دن اللہ میاں نے پوچھا کہ ان لوگوں نے بیعت کی تھی اور عمل نہیں کیا تو ہم کہیں گے کہ بالکل نہیں کیا ہم تو گواہ ہیں۔ اللہ کے سامنے جھوٹ تو نہیں بول سکتے۔ نہ ہاں تو کوئی بھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس کا جواب پھر اس کو دینا پڑے گا جس نے عمل نہیں کیا یعنی وعدہ خلافی کی۔ دو جرم ایک تو یاری کر کے توڑ دی اور دوسرا وعدہ خلافی کی۔ جو بذات خود گناہ کبیرا ہے۔ قرآن میں حکم ہے۔ "جو وعدہ کرو پورا کرو قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھ ہوگی"۔ اگر وعدہ پورا کیا تو جس مقصد کے لئے آپ لوگ بیعت ہوئے ہیں اس کا حاصل ہونا ناگزیر ہے۔ اللہ عمل کرنے والوں کو محروم نہیں کرتا۔ یہ یقین رکھیں اور اس یقین کے ساتھ آگے بڑھیں اللہ آپ لوگوں کو کامیاب کرے گا۔ قبلہ انصاری صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔

I want quality not quantity۔ فرماتے تھے کہ مجھے انسان بنانے ہیں۔ ریوڑ نہیں بنانا بھیڑ بکریوں کا۔ اب انسان تو تب ہی ہیں جب ہم دی گئی تعلیم پر صحیح عمل کریں۔ مثال کے طور پر حکم ہے کہ غصہ کی نفی کرو کیا آپ لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔ غصہ نفرت کو چھوڑنا بنیادی چیز ہے۔ جس کا حلف آپ نے بیعت نامہ میں اٹھایا ہے۔ اب آپ خود ہی اپنا محاسبہ کریں کہ کہاں تک اس بات پر عمل کیا ہے۔ آپ کو جواب مل جائے گا۔ خود بھی تعلیم پر عمل کریں اور اپنے بچوں کو بھی اس میں شامل کریں۔ اگر آپ نے خود تعلیم پر عمل کیا اور بچوں کو نہ لائے تو آپ نے ان کے ساتھ

بھلائی نہیں کی ۔آپ لوگوں کوایک دوسرے سے بے پناہ پیار ہونا چاہیے۔قبلہ انصاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ پیر بھائیوں میں سگے بھائیوں سے زیادہ پیار ہونا چاہیے۔اگر کوئی معاملہ درپیش ہوجائے تو اپنے پیر بھائیوں کو سگے بھائی پر ترجیح دو ۔کیا آپ یہ کرتے ہیں ۔ یہ حلقہ Practicle لوگوں کے لئے ہے۔باتیں بنانے والوں کیلئے نہیں ہے۔توحیدی وہ ہیں جو باتیں کم کرتے ہیں مگر عمل میں پورے ہیں ۔ایک بھائی نے سوال کیا کہ آپس میں محبت بڑھانے کا کیا طریقہ ہے تو باباجی نے فرمایا کہ سرکار دوعالم رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ سلام کو عام کرو، کتنا اچھا نسخہ ہے ۔صحابہ کبار آپس میں ملتے تو سلام کرتے اور اگر کہیں گئے اور کچھ وقفے کے بعد ملتے تو دوبارہ سلام کرتے یہ ان کا مرتبہ تھا۔سلام کرنے سے محبت بڑھتی ہے ۔کسی کے کام آنے سے محبت بڑھتی ہے ۔سلام بہت بڑی دعا ہے کہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو اور سلام کرنے والا دوسرے کو اپنی امان میں لے لیتا ہے ۔جو دعا دے رہا ہے وہ نقصان کیسے پہنچا سکتا ہے ۔محبت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا ۔ہمارے سلسلہ میں دو چیزیں ہیں ایک محبت اور دوسرا توحید۔بنیادی توحید ہے کہ اللہ ذات اور صفات کے لحاظ سے لاشریک اور بے مثل ہے یہ اٹل بات ہے ۔ایک بھائی نے سوال کیا کہ غصہ کیوں آتا ہے اس کی کیا وجوہات ہیں تو باباجی نے فرمایا کہ غصہ اس لئے آتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں ۔آپ کی نظروں میں دوسروں کی عزت نہیں ہے ۔جس دن دوسروں کی عزت عزیز ہوجائے گی غصہ بالکل نہیں آئے گا۔دوسروں کو عزت دینا سیکھیں پھر غصہ خود بخود ختم ہوجائے گا۔

حلقہ ذکر ہوا۔حلقہ ذکر میں شجاع آباد سے باباجی کے مجاز عابد کبیر شاہ نے دیگر بھائیوں کے ساتھ شرکت کی ۔ملتان سے باباجان کے مجاز خالد محمود بخاری، خادمان حلقہ ملتان راقم الحروف اور محمد قاسم اور دیگر بھائیوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی ۔حلقہ ذکر کے بعد بھائی سید امین شاہ صاحب کی نصیحت آمیز گفتگو سے محظوظ ہوتے رہے ۔محفل کے اختتام پر بھائیوں نے باباجی سے اجازت لی ۔اگلے روز صبح ناشتے کا اہتمام محمد قاسم صاحب کے گھر پر تھا۔دوپہر کا کھانا

محمد اکرم صاحب کی رہائش گاہ پر تھا۔شام کو بعد نماز مغرب حلقہ ذکر دین پور میں سعید احمد کے ہاں ہوا۔جس میں نئے بھائیوں نے بھی شرکت کی۔جن میں طالب، پروفیسر ملک طارق حسن، نعیم عباس اور دیگر برادران شامل تھے۔بابا جی نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ روزانہ کے ذکر میں ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔ناغہ کی وجہ سے رابطے میں Gape پڑ جاتا ہے۔اگر تھوڑا بھی ذکر ہو جائے تو رابطہ قائم رہتا ہے۔Link قائم رہتا ہے۔اگر Link کٹ گیا تو دوبارہ جوڑنے میں وقت لگتا ہے۔اس لئے ترقی نہیں ہوتی۔اس لئے بے شک تھوڑا کریں لیکن باقاعدہ کریں۔ایک ہزار دفعہ درود شریف پڑھنے کا کہا گیا ہے وہ مت بھولنا کسی بھی صورت میں۔ہر نماز کے بعد 200 مرتبہ بھی پڑھ سکتے ہیں اور اکٹھا بھی پڑھ سکتے ہیں آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگتا خوب توجہ سے پڑھیں ہماری تعلیم اتنی لمبی چوڑی نہیں ہے۔کوئی یہ بہانہ نہیں کر سکتا کہ وقت نہیں ہے۔ہم کسی سے وقت مانگتے ہی نہیں۔ہم تو کہتے ہیں کہ جو وقت تمہارے پاس بالکل فالتو ہے اور بیکار ہے وہ وقت اللہ کو دے دو۔غفلت مت کریں نفی اثبات میں ایک دن کا ناغہ 100 دن پیچھے لے جاتا ہے۔

بابا جی کے بیان کے بعد حلقہ ذکر ہوا۔عشاء کی نماز کے بعد بھی بھائی کافی دیر تک بابا جی کے اردگرد بیٹھے رہے اور فیضیاب ہوتے رہے۔اگلے روز ناشتے کا اہتمام ہمارے بھائی شہزاد محمود اور فہد محمود کے گھر پر تھا۔انہوں نے دوست احباب کو بھی مدعو کیا ہوا تھا۔وعظ کا سلسلہ جاری رہا۔اس کے بعد بابا جی میرے گھر تشریف لے آئے۔دوپہر کا کھانا کھایا اور تقریباً 12 بجے تک تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد حافظ عبدالکریم صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔وہاں خواتین کثیر تعداد میں موجود تھیں۔ان سے بات چیت کا سلسلہ مغرب تک جاری رہا۔خواتین نے اپنے مسائل کے لئے دعا کروائی اور پانی دم کروایا۔مغرب کے بعد حلقہ ذکر ہوا۔پھر نماز عشاء اور تھوڑی دیر کے بعد محفل سماع شروع ہو گئی۔حافظ عبدالکریم صاحب نے خصوصی اجازت لے کر محفل سماع کا پروگرام رکھا تھا۔تقریباً 3 گھنٹے تک محفل سماع جاری رہی جس میں بابا جی نے توحید کے جام خوب لٹائے۔تمام بھائیوں نے بقدر استطاعت کاسہ دل کو توحیدی مہ سے سیراب کیا۔

سوموار کی صبح لسوڑی سے ہمارے بھائی غلام محمد شاہ بابا جی کو لینے کے لئے تشریف لے آئے۔ آپ نے دو روز لسوڑی اور ایک روز شجاع آباد میں قیام کیا۔ شجاع آباد سے واپسی پر ملتان انڈسٹریل اسٹیٹ میں میرے ایک عزیز کی پیپر مل میں بابا جی کے لئے چائے کا اہتمام تھا۔ وہاں بابا جی سے دعا کی درخواست بھی کی گئی۔ کچھ دیر بات چیت کا سلسلہ بھی رہا۔ ظہر کی نماز پڑھ کر وہاں سے روانہ ہوئے ملتان کینٹ میں طالب، پروفیسر ملک طارق حسن صاحب نے بابا جی کو ٹھہرانے پر مدعو کیا ہوا تھا۔ بابا جی، عابد کبیر شاہ اور محمد عثمان میرے ہمراہ مقررہ وقت پر وہاں پہنچ گئے۔ پروفیسر صاحب سے بڑی اچھی اور مدلل گفتگو رہی۔ بابا جی نے بڑے سیر حاصل طریقے سے روحانیت اور اس کے ثمرات و مقصد پر بات کی۔ عصر کے وقت سعید احمد کی نئی دوکان کا افتتاح تھا۔ پروفیسر صاحب کے گھر پر ہی ان کے فون آنا شروع ہو گئے۔ بعد نماز عصر بابا جی نے اپنے دست مبارک سے دکان کا افتتاح کیا اور ترقی کی دعا کی۔ موجود تمام لوگوں میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ مغرب کے بعد حلقہ ذکر ہوا۔ حلقہ ذکر کے بعد خالد محمود بخاری صاحب کے بیٹے محمد معیز بابا جی سے بیعت ہوئے اور مختصر بات چیت کے بعد بابا جی نے بھائیوں سے اجازت لی۔ کیونکہ صبح ان کو فتح پور تشریف لے جانا تھا۔

بابا جی نے اپنے دورہ ملتان کے دوران بہت پیار کیا۔ تمام بھائی یہ کہتے پائے گئے کہ ہمارے اندر نیا ولولہ اور جوش پیدا کر گئے ہیں۔ اللہ ہمارے پیارے بابا جی کو صحت و تندرستی اور درازی عمر عطاء فرمائے اور ہمارے سلسلہ کو ترقی عطا فرمائے۔ آمین

غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادات وملفوظات سے اقتباسات

از فیُوضِ غوثِ یزدانی ترجمہ الفتح الرّبّانی

ترجمہ: مفتی محمد ابراھیم قادری بدایونیؒ

فریاد اسلام:

اے قوم! اسلام رورہا ہے،ان فاسقوں، فاجروں، گمراہوں، جھوٹ کا لباس پہننے والے ظالموں اور جھوٹے دعویداروں سے سر پر ہاتھ رکھ کر پناہ مانگ رہا ہے اور فریاد کر رہا ہے، ان لوگوں کو دیکھو جو تم سے پہلے گزر گئے اور جو تمہارے ساتھ تھے، امر و نہی کے ساتھ حکم چلاتے تھے، کھاتے پیتے تھے، اب حالت یہ ہے کہ گویا کبھی موجود ہی نہ تھے۔

تو کتنا سنگ دِل ہے! کتا پورے خلوص کے ساتھ اپنے مالک کیلئے شکار کرتا ہے، اس کی کھیتی اور چوپایوں کی دیکھ بھال کرتا، پہرہ دیتا ہے اور مالک کو دیکھ کو دُم ہلاتا ہے، حالانکہ وہ اسے رات کے وقت چند لقمے کھلا دیتا ہے یا کوئی اور معمولی چیز کھلا دیتا ہے اور تو پیٹ بھر کر اللّٰہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتا ہے پھر بھی اس کا شکر بجا نہیں لاتا، اس کا حق ادا نہیں کرتا، اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا اس کی حدود کی پاسداری نہیں کرتا۔

دین مصطفیٰ ﷺ کی خدمت:

دین محمد ﷺ کی دیواریں گر رہی ہیں، بنیاد بکھر رہی ہے، اے زمین کے باسیو! آؤ جو منہدم ہو چکا ہے اسے مضبوط کریں اور جو گر چکا ہے اسے بحال کریں۔

اللّٰہ تعالٰی کے ہو جاؤ:

اللّٰہ تعالیٰ کے ہو جاؤ، جیسے اولیاء کرام تھے، تا کہ اللّٰہ تعالیٰ کی رحمتیں تمہاری ہو جائیں جیسے ان کے لئے تھیں، اگر تم چاہتے ہو کہ اللّٰہ تعالیٰ تمہارا ہو جائے تو اس کی اطاعت کرو،

اس کے افعال پر راضی رہو، خواہ وہ تمہارے متعلق ہوں یا دوسروں سے، اولیاء کرام دنیا میں رہ کر اس سے بے نیاز رہے، اپنا حصہ اس سے تقویٰ و ورع کے ہاتھ لیا، پھر آخرت کو طلب کیا، اس کیلئے اعمالِ صالحہ کیے، اپنے نفسوں کی مخالفت اور اپنے ربّ کی اطاعت کی، پہلے اپنے آپ کو پھر دوسروں کو نصیحت کی۔

اسی اللّٰہ کی عبادت کرو، اور شرک نہ کرو:

افسوس! تو اللّٰہ تعالیٰ کا بندہ ہونے کا دعویٰ تو کرتا ہے اور اطاعت دوسروں کی کرتا ہے، اگر تو فی الواقع اس کا بندہ ہوتا تیری دوستی اور دشمنی اسی کی خاطر ہوتی، صاحبِ یقین مومن، اپنے نفس، شیطان اور اسکی خواہش پر عمل پیرا نہیں ہوتا، وہ شیطان کا شناسا ہی نہیں ہے، اس کی اطاعت کیوں کرے گا، وہ دنیا کی پرواہ نہیں کرتا اس کیلئے ذلیل کیوں ہوگا، وہ تو اسے ذلیل کرتا ہے اور آخرت کا طلبگار ہے اور جب اسے آخرت مل جاتی ہے تو اسے بھی ترک کر دیتا ہے اور اپنے مولیٰ سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ ہر وقت اسی کی مخلصانہ عبادت کرتا ہے، اس نے اپنے ربّ کا فرمان سن رکھا ہے: ” وما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین حنفاء انہیں یہی حکم دیا گیا کہ اللّٰہ کی عبادت کریں، دین کو اسکے لئے خالص کرتے اور ہر باطل سے اعراض کرتے ہوئے اور مخلوق کو شریک بنانا چھوڑ دے، اللّٰہ تعالیٰ کو واحد، لاشریک مان، وہی تمام اشیاء کا خالق ہے، تمام چیزیں اسی کے دستِ قدرت میں ہیں، اسکے غیر سے طلب کرنے والے! تو بے عقل ہے، کوئی چیز ایسی بھی ہے، جو اللّٰہ تعالیٰ کے خزانوں میں نہیں ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ

ترجمہ: ”ہر شے کے خزانے ہمارے پاس ہیں“۔

اسم اعظم: علامہ سید احمد طحطاویؒ سے مروی ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ اسمِ اعظم ”اللّٰہ“ ہے بشرطیکہ اللّٰہ کہتے وقت تمہارے دل میں اس کے سوا دوسرا کوئی نہ ہو۔“

مقام مصطفٰی ﷺ

نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں محوِ استراحت ہوتیں اور دل پاک بیدار رہوتا، آپ جس طرح آگے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے دیکھتے، ہر شخص کی بیداری اس کے حال کے مطابق ہے، کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کی بیداری کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی کوئی آپ ﷺ کی خصوصیات میں شریک ہوسکتا ہے، ہاں! آپ ﷺ کی اُمت کے ابدال و اولیاء آپ ﷺ کے بچے ہوئے کھانے اور پانی کو تناول کرتے ہیں، انہیں آپ ﷺ کے مقامات کے دریاؤں میں سے ایک قطرہ اور آپ ﷺ کی کرامات کے پہاڑوں سے ایک ذرّہ دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ آپ ﷺ کے مقتدی ہیں۔ آپ کے دین پر عمل پیرا ہیں، آپ کے دین کی خدمت کرتے ہیں۔

کتاب وسنت کے پروں کے ساتھ بارگاہِ خداوندی کی طرف، دربارِ الٰہی میں اس حال میں حاضر ہو کہ تیرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہو، حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا وزیر اور اپنا معلم بنا۔ سرکار دو عالم ﷺ تمہیں زیب و زینت دے کر بارگاہِ الٰہی میں پیش کریں گے، آپ ﷺ روحوں میں حکم فرمانے والے، مقامِ محبوبیت پر فائز ہونے والوں کے سردار، اولیاء کرام کے امام اوران کے درمیان احوال و مقامات تقسیم کرنے والے ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کارِ تقسیم آپ ﷺ کے سپرد کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کو سب کا امیر و سردار بنا دیا ہے، دستور ہے کہ جب بادشاہ کی طرف سے لشکر کو خلعتیں دی جاتی ہیں تو انہیں امیر ہی تقسیم کرتا ہے۔

طریقِ محبت:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ٥

"آپ ﷺ! فرمادیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ راہِ محبت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کی پیروی کرو۔

کتاب و سنت:

جو شخص نبی اکرم ﷺ کی پیروی نہیں کرتا ، ایک ہاتھ میں آپ ﷺ کی شریعت اور دوسرے ہاتھ میں قرآن پاک نہیں تھامتا اس کی رسائی اللّٰہ تعالیٰ کی بارگاہ تک نہیں ہوسکتی، وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ گمراہی اور ذلالت اس کا مقدر رہو گی ، یہ دونوں بارگاہِ الٰہی تک تیرے راہنما ہیں ,قرآن پاک تمہیں دربارِ الٰہی تک اور سنت رسول بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ تک پہنچائیں گے۔ تم اپنی نسبت اپنے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحیح کرلو، جو صحیح معنوں میں آپ ﷺ کا پیروکار رہوا اس کی نسبت صحیح ہے۔ اتباع کے بغیر تمہارا یہ کہہ دینا مفید نہیں کہ میں حضور ﷺ کی اُمت میں سے ہوں، جب تم اقوال و افعال میں حضور انور ﷺ کی اتباع کرو گے تو آخرت میں آپ کی صحبت میں ہو گے۔

اخلاص اور عمل:

اے شہر والو ! تمہارے اندر نفاق بڑھ گیا ہے اور اخلاص کم ہو گیا ہے، اعمال کے بغیر اقوال کی کثرت ہے عمل کے بغیر قول فائدہ نہیں دیتا ، وہ تیرے حق میں نہیں بلکہ تیرے مخالف دلیل ہے، وہ بے جان جسم ہے، وہ ایک ایسا بُت ہے جس کے نہ ہاتھ ہیں نہ پاؤں اور نہ ہی اس میں پکڑنے کی صلاحیت ہے، تمہارے اکثر اعمال بے رُوح لاشئے ہیں، روح کیا ہے؟ اخلاص، توحید، اللّٰہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللّٰہ ﷺ کی سنت پر ثابت قدمی...

وہ علم .... جس کے ساتھ عمل نہ ہو:

علم چھلکا ہے اور عمل مغز، چھلکے کی حفاظت اس لئے کی جاتی ہے کہ مغز محفوظ رہے اور مغز کی حفاظت اس لئے کی جاتی ہے کہ اس سے تیل نکالا جائے، وہ چھلکا کس کام کا جس میں مغز نہ ہو ، اور وہ مغز بے کار ہے جس میں تیل نہ ہو، علم ضائع ہو چکا ہے کیونکہ جب علم پر عمل نہ رہا تو علم بھی ضائع ہو گیا عمل کے بغیر علم کا پڑھنا اور پڑھانا کیا فائدہ دے گا؟ اے عالم ! اگر تو دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اپنے علم پر عمل کر ! اور لوگوں کو علم سکھا۔

وہ عمل.....جس کے ساتھ علم نہ ہو :

مجھے تیری مدح یا ذم، دینے اور نہ دینے کی فکر نہیں ہے، تیری خیر او رشر اور تیرے متوجہ ہونے یا نہ ہونے کو بھی میں خاطر میں نہیں لاتا ،تو جاہل ہے اور جاہل کی پرواہ نہیں کی جاتی، اگر تجھے موقع ملے اور تو اللہ تعالی کی عبادت کرے تو تیری عبادت مردود ہوگی، کیونکہ یہ عبادت، جہالت پر مبنی ہے اور جہالت تمام تر فساد کا باعث ہے۔

پہلے فرائض پھر نوافل:

صاحب ایمان کو چاہیے کہ پہلے فرائض ادا کرے جب ان سے فارغ ہو تو سنتیں ادا کرے پھر نوافل اور فضائل میں مشغول ہو،فرائض سے فارغ ہوئے بغیر سنتوں کا ادا کرنا بے وقوفی اور سرکشی ہے،فرائض کے ادا کرنے سے پہلے سنتوں اور نفلوں میں مصروف ہوا تو وہ مقبول نہ ہونگے بلکہ ذلیل کیا جائے گا۔

نماز اور دیگر اعمال:

اے لڑکے! تو دنیا میں بقاء اور عیش کیلئے نہیں پیدا کیا گیا تو نے سمجھ لیا ہے کہ اللّٰہ تعالٰی کی اطاعت کیلئے **لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** پڑھ لینا کافی ہے، یہ تیرے لئے اسی وقت مفید ہوگا جب تو اس کے ساتھ کچھ اور امور (اعمال صالحہ) ملائے گا، ایمان اقرار اور عمل کا نام ہے، جب تو گناہوں لغزشوں میں مبتلا اور احکام الٰہیہ کی مخالفت کا مرتکب ہوگا ان پر اصرار کرے گا، نماز، روزہ، صدقہ اور افعال خیر ترک کرے گا تو یہ دو شہادتیں تجھے کیا فائدہ دیں گی؟

جب تو نے **لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** کہا تو یہ ایک دعویٰ ہے، تجھے کہا جائے گا اس دعوے پر دلیل کیا ہے؟ اللّٰہ تعالٰی نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کا ادا کرنا، جن سے منع کیا ہے ان سے باز رہنا، آفتوں پر صبر کرنا اور تقدیر الٰہی کو تسلیم کرنا اس دعویٰ کی دلیل ہے، جب تو نے یہ عمل کئے تو اللّٰہ تعالٰی کیلئے اخلاص کے بغیر مقبول نہ ہونگے قول بغیر عمل کے اور عمل بغیر اخلاص اور

اتباع سُنّت کے مقبول نہیں۔حضرت شیخ نے فرمایا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے جب کہ محققین متکلمین کے نزدیک ایمان نام ہے اُن اُمور کی تصدیق کا جو نبی اکرم ﷺ لائے،البتہ احکامِ اسلام تب جاری ہونگے جب زبان سے اقرار کرے گا اور ایمان کامل تب ہوگا جب اعمال صالحہ پائے جائیں گے۔

زھد کیا ھے؟

جو آخرت کا طلبگار رہو،اسے دنیا سے بے نیاز ہو جانا چاہیے،اور جو اللہ تعالیٰ کا طالب ہو،اسے آخرت سے بھی بے نیاز ہو جانا چاہیے،دنیا کو آخرت کیلئے اور آخرت کو اپنے ربِّ کریم کیلئے ترک کردے،جب تک اس کے دل میں دنیا کی خواہش اور لذت باقی رہے گی اور جب تک وہ کھانے پینے کی اشیاء،لباس،اہل وعیال،مکان،سواری اور اختیار و اقتدار سے راحت حاصل کرنا چاہے،فنونِ علمیہ میں سے کسی فن مثلاً مسائل عبادات سے زیادہ فقہ،روایتِ حدیث،یا قرآن پڑھنے،نحو،لغت یا فصاحت و بلاغت میں محو،یا فقر کے زوال اور دولت مندی کے حصول یا مصیبت کے زائل ہونے اور عافیت کے مل جانے کیلئے کوشاں ہو،مختصر یہ کہ نقصان سے بچنے اور نفع کے حاصل کرنے کی فکر میں ہو وہ پورا زاہد نہیں کیونکہ ان اُمور میں سے ہر ایک میں نفس کی لذت،خواہش کی موافقت طبیعت کی راحت اور اس کی محبت مضمر ہے اور اس سے اطمینان وسکون میسر ہوتا ہے،لہٰذا کوشش کی جائے کہ ان تمام امور کو دل سے نکال دیا جائے۔

تصوّف:

اے لڑکے! اپنے دل کو رزق حلال کے ذریعے صاف کر تجھے معرفتِ الٰہیہ حاصل ہوجائے گی،تو اپنے لقمے کو،اپنے لباس اور دل کو پاک صاف کر تجھے صفائی مل جائے گی،تصوّف،صفاء سے بنا ہے،اے اُون کا لباس پہننے والے! تصوّف میں سچا صوفی وہ ہے جو اپنے دل کو اپنے مولا کے ماسوا سے پاک کرلے اور یہ مقام رنگ برنگے کپڑے پہننے،چہروں کے زرد کرلینے اور کندھوں کے جھکا لینے،اولیاء کرام کے واقعات زبان پر سجا لینے اور تسبیح وتہلیل کے ساتھ

انگلیوں کے متحرک کرنے سے حاصل نہیں ہوتا ،یہ مقام اللہ تعالیٰ کو سچے دل سے طلب کرنے ،دنیا سے بے نیاز ہوجانے ،مخلوق کو دل سے نکال دینے اور اپنے مولا کے ماسوا سے الگ تھلگ ہوجانے سے حاصل ہوتا ہے۔

مقام ولایت:

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اولیائے کرام کے حق میں حسن ظن نہیں رکھتا،ان کے ساتھ تواضع اور انکساری اختیار نہیں کرتا ،حالانکہ وہ روٗسا اور امرا ء ہیں،ان کے سامنے تیری کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حل وعقد کا سلسلہ ان سے وابستہ کردیا ہے،انکی بدولت آسمان بارش برساتا ہے اور زمین سبزہ اُگاتی ہے،تمام مخلوق ان کی رعایا ہے،ان میں سے ہر ایک پہاڑ کی طرح ثابت قدم ہے جسے آفات وبلیات کی آندھیاں اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتیں،وہ اپنے نفوس یا دوسروں کے طالب ہوکر مقام توحید اور اپنے مولا کی رضا سے نہیں ہٹتے۔

پہلے لوگ دین اور دلوں کے طبیب ،اولیاء اور صالحین کی تلاش میں مشرق ومغرب کا چکر لگاتے تھے، جب انہیں کوئی مل جاتا تو اُن سے اپنے دین کی دوا طلب کرتے تھے اور آج تم اولیاء سے بغض رکھتے ہو۔جو ادب اور علم سکھاتے ہیں،نتیجہ یہ ہے کہ تم دوا حاصل نہیں کرپاتے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ: تلاش حق کا انوکھا سفر

(مولانا محمد اسجد قاسمی)

حضور نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ آمد کے پانچ دنوں بعد پیش آنے والا اہم واقعہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول ایمان ہے، حضرت سلمانؓ ایران کے علاقے "رامہرمز" کے باشندے اور خاندانی مجوسی العقیدہ تھے، اپنے والدین اور خاندان سے بغاوت کر کے نصرانی بن گئے تھے، گھر والوں کی طرف سے اذیتوں کا بھی سامنا رہا، بالآخر شام آ گئے، وہاں کے بڑے پادری کی خدمت میں رہنے لگے، اس نے اپنی موت کے وقت "موصل" میں مقیم ایک سچے پادری کی نشاندہی کی، حضرت سلمانؓ اس کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ایک مدت وہاں رہے، اس نے اپنی موت کے وقت "نصیبین" کے ایک مسیحی پادری کی طرف رجوع ہونے کو کہا، چنانچہ وہاں حاضر ہوئے اور مقیم ہو گئے، اس نے اپنی موت کے وقت روم کے شہر "عموریہ" کے ایک بزرگ مسیحی عابد سے وابستہ ہو جانے کی ہدایت دی، حضرت سلمان وہاں پہنچ گئے، جب ان بزرگ کا آخری وقت آیا تو حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا کہ میں تلاش حق میں سرگرداں ہوں، آپ کے بعد کہاں جاؤں گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اب دنیا شرک سے لبریز ہو چکی ہے، اور وہ وقت آ گیا ہے نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہو جائے، نبی آخر الزماں ﷺ صحرائے عرب سے اُٹھ کر دین حنیف کو زندہ کریں گے، ان کی ہجرت گاہ کھجور کے جھنڈوں والی زمین ہو گی، ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کی پشت پر دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی، وہ ہدیہ قبول کریں گے، مگر صدقے کو اپنے لئے حرام سمجھیں گے۔

اب متلاشی حق حضرت سلمان فارسیؓ کو شب و روز نبی آخر الزماں ﷺ کی جستجو ہے، عرب جانے والے بنی کلب کے قافلے سے درخواست کر کے ہمراہ ہو گئے،

مقام ''وادیٔ القریٰ'' میں قافلہ کے سردار کی نیت بدلی اور اس نے حضرت سلمانؓ کو یثرب کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا، اب حضرت سلمانؓ غلام بن کر یہودی آقا کے ہمراہ یثرب پہنچتے ہیں، ان کے دل نے اس نخلستانی سرزمین کو دیکھ کر گواہی دی ہے کہ ہو نہ ہو نبی آخرالزماںﷺ کی ہجرت گاہ یہی مقام ہے۔

ایک دن حضرت سلمانؓ اپنے آقا کے باغ میں کھجور کے درخت پر کام میں مصروف تھے، مالک نیچے بیٹھا تھا، اس کے دوست نے آکر کہا کہ خدا بنو قیلہ (اوس و خزرج) کو غارت کرے، یہ مکہ سے آئے ہوئے نبوت کے نئے مدعی کے پیچھے دیوانہ ہوئے جا رہے ہیں، سلمانؓ کا پورا جسم اس خبر کو سن کر کانپ اُٹھا، جلدی سے درخت سے اُترے، آقا سے پوچھا کہ:

''آپ لوگ کیا بات کر رہے تھے۔'' آقا نے زور سے طمانچہ مارا اور بولا:

''تمہیں اس سے کیا غرض! تم اپنا کام کرتے رہو۔''

حضرت سلمانؓ شام کو قبا پہنچتے ہیں، آقا نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، صدقہ کی کھجوریں پیش کرتے ہیں، آقاﷺ نے وہ کھجوریں دوسروں میں تقسیم کر دیں، خود نہیں کھائیں۔ یہ پہلی علامت کا ظہور تھا، کچھ دنوں بعد پھر حاضر ہوئے، ہدیہ پیش کیا، آقاﷺ نے قبول کر لیا، خود بھی استعمال کیا اور حاضرین کو بھی شریک کیا، یہ دوسری علامت کا ظہور تھا۔

کچھ دنوں کے بعد کسی جنازے میں شرکت کیلئے حاضر ہوئے، تو آپﷺ کے ارد گرد چکر کاٹنے لگے، آپﷺ بھانپ گئے، آپﷺ نے اپنی پشت مبارک سے چادر سرکا دی، مہرِ نبوت سامنے نظر آئی، حضرت سلمانؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، عقیدت سے مہرِ نبوت چوم لی، تلاشِ حق کا سفر ختم ہو گیا تھا، منزل ہاتھ آ گئی تھی، فوراً کلمہ پڑھا، آقاﷺ کو داستان سنائی، پہلے نام ''مابہ'' تھا، حضور نبی اکرمﷺ نے ''سلمان'' نام رکھا۔ (طبقات ابنِ سعد: ۲۳۳)

غلامی سے آزادی کی بات آئی تو یہودی آقا نے ۳۰۰ کھجور کے بار آور درختوں اور ۴۰

اوقیہ چاندی کی شرط لگا دی، آپ ﷺ کی تحریک پر انصار نے اپنے باغوں سے ۳۰۰ پودوں کا انتظام کیا، متعین مقام پر آپ ﷺ نے بدست خود یہ پودے لگائے پیغمبر علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک ہی سال میں یہ سارے درخت بارآور ہو گئے، اسی طرح ۴۰ اوقیہ چاندی کا انتظام بھی کرایا۔ حضرت سلمانؓ آزاد ہوئے۔ حضرت سلمانؓ سب سے پہلے جس غزوہ یعنی آنحضرت ﷺ کی شرکت والی جنگ میں شریک ہوئے وہ غزوہ خندق ہے۔ مسلمانوں نے ان ہی کے مشورے پر سب سے پہلے اس جنگ شہر کے چاروں طرف خندقیں کھود کر دشمن کو آگے بڑھنے سے روکا تھا یعنی انہیں کی مشاورت سے غزوۂ احزاب میں خندق کھودی گئی۔

راہِ حق کے اس مخلص مسافر کی قربانیوں اور تلاشِ حق کے سفر کی عزیمتوں کے صلہ میں زبانِ نبوت سے کبھی انہیں " سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ (سلمان میرے اہل بیت میں سے ہیں) کا اعزاز ملا، کبھی یہ ارشاد ہوا:

"جو روشن قلب اور پاک باطن انسان دیکھنا چاہتا ہے، وہ سلمان کو دیکھ لے۔" (کنزالعمال) اور کبھی " سَلْمَانُ الْخَيْرُ" (مجسم خیر سلمان) کا لقب عطا ہوا، اور خود انہوں نے ہمیشہ اپنے تعارف میں سلمان بن اسلام بن اسلام" ہی فرمایا: رَضِيَ اللّٰه تعالىٰ عَنْهُ وَ اَرْضَاهُ۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا شمار اصحاب صفہ میں ہوتا ہے، اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حاکم مدائن مقرر فرما دیا تھا اور بیت المال وظیفہ مقرر کیا۔ آپؓ تمام رقم فقیروں میں تقسیم فرما دیتے اور خود زنبیل بافی سے اپنی بسر اوقات کرتے۔

اسلام اور عالمگیریت

(ڈاکٹر خالد علوی)

عالمی سطح پر معاشی، سیاسی، معاشرتی اور تکنیکی میدانوں میں اتنی تیزی سے اور ایسے ڈرامائی انداز میں تبدیلیاں آئی ہیں جو پہلے کبھی مشاہدے میں نہیں آئی تھیں۔ابلاغ کی سہولتوں نے جغرافیائی حدود کے تصور کو ختم کر دیا ہے۔ابلاغ کی اس صلاحیت نے تجارت اور مالی معاملات کی درجہ بندی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔اسی انقلاب اور اس کے انتظام کو عالمگیریت (Globalization) کا نام دیا جارہا ہے۔

عالمگیریت کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ ناگزیر ہے اور اسے روکا نہیں جا سکتا۔یہ بھی عالمی سرمایہ داروں کی بازی گری ہے۔عالمگیریت کے نتیجے میں بہت خرابیاں پیدا ہورہی ہیں۔اگرچہ ٹیکنالوجی میں ترقی ہورہی ہے اسے روکا نہیں جا سکتا، لیکن معاشی و معاشرتی پالیسیوں کو تبدیل کیا جا سکتا ہے، البتہ عالمی ساہوکار ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

معاشی ترقی کا جائزہ لینے والوں کا اندازہ ہے کہ پچھلے ۱۵۰ سالوں کے مقابلے میں پچھلے تیس سال میں امیر وغریب کے درمیان فرق بڑھا ہے اور اب عالمگیریت کے نتیجے میں اور بڑھ رہا ہے، کیونکہ ارتکاز دولت کی جو صورتیں اب پیدا ہورہی ہیں اور جو سہولتیں اب میسر ہیں وہ پہلے نہ تھیں۔

سیاسی غلامی:

عالمگیریت کے نتیجے میں طاقتور قوموں کے سوا باقی تمام قومیں محکوم ہوں گی۔ قومی حکومتیں آہستہ آہستہ بے اختیار ہوتی چلی جائیں گی اور ان کی حیثیت شہری اور ضلعی حکومتوں کے ناظم کی ہوگی بلکہ ضلعی و شہری نظام براہ راست عالمی اقتدار کے ماتحت ہوگا اور یوں کمزور قومی حکومتیں غیر موثر ہو جائیں گی۔عسکری و معاشی غلبے کے ساتھ سیاسی غلبہ بھی مکمل ہو جائے گا۔ عالمگیریت ایک دجالی نظام ہے جس کا اثر و نفوذ غیر معمولی ہوگا۔عالمگیریت کی کوکھ میں ایک

ایسا زہریلا تصور پروان چڑھ رہا ہے جو اُمتِ مسلمہ کیلئے مہلک ہوگا۔ مشیتِ الٰہی کی تکوینی مداخلت ہی اس ہلاکت خیزی کو روک سکتی ہے۔

عالمگیریت کی تحریک کے نتیجے میں جو تبدیلیاں آئیں گی اس کا حاصل یہ ہوگا کہ سرمایہ اور اشیاء کی منتقلی آسان ہوگی اور شاید افراد کی آمد و رفت بھی آسان ہو۔ تیسری دنیا کے افراد کیلئے تو پابندیاں کسی نہ کسی طرح رہیں گی، البتہ ترقی یافتہ ممالک کے افراد آسانی کے ساتھ دندناتے پھریں گے۔ اس سے جو فرق پڑے گا وہ بنیادی طور پر اخلاقی اور ثقافتی ہوگا۔ چونکہ مغربی کلچر بدکرداری پر مبنی ہے، اس لئے سب سے پہلا اثر اخلاقی ہوگا۔ بدکرداری کو فروغ ملے گا۔ سرمایہ دار ممالک کے بدکردار افراد کو دولت کی وجہ سے ہر قسم کے اقدام کی اجازت ہوگی اور حکومتیں ان کو تحفظ فراہم کریں گی۔ لوگوں کو تسلی دی جائے گی کہ سرمایہ کاری بڑھ رہی ہے۔ طوائف کلچر کی حوصلہ افزائی ہوگی کیونکہ عصمت فروشی بھی تو سرمایہ لانے کا باعث بنے گی اور سرمایہ سے محبت کرنے والی حکومتیں اسے ''جنسی صنعت'' (Sex Industry) قرار دینے میں کوئی تامل نہ کریں گی۔ مسلم دنیا پر پہلا اثر جو عالمگیریت کا ہوگا وہ حیا باختگی اور اخلاقی فساد کا ہوگا۔ مسلمان معاشروں میں جو تھوڑی بہت مزاحمت ہے، وہ عالمگیریت کے بوجھ تلے دم توڑ دے گی (خدا نہ کرے کہ ایسا ہو)۔ مسلم معاشروں پر عالمگیریت کا جو دباؤ ہوگا اس کی وجہ سے انہیں اپنے معاشروں میں دینی روایت کو قائم رکھنا ہوگا، انہیں زبان کی حفاظت کرنا ہوگی اور اپنے معاشرتی اداروں کا دفاع کرنا ہوگا اور سب سے اہم اپنے تشخص کو بدلتے ہوئے حالات، نئے تقاضوں اور تغیر پذیر عالمی ماحول میں قائم رکھنے کی جدوجہد کرنا ہوگی۔ دینی قیادت کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ اسے ہوش و حواس قائم رکھتے ہوئے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ انفرادی و اجتماعی، معاشرتی و سیاسی ہر سطح پر عالمگیریت کے اثراتِ بد کی مزاحمت منظم ہونی چاہیے۔

معاشی اثرات:

مسلم ممالک پر سب سے برے اثرات معاشی ہونگے۔مسلم ممالک کی معیشتیں پہلے ہی کمزور ہیں۔صنعتی بنیاد مستحکم نہیں،کرپشن اور بدنظمی کا دور دورہ ہے۔ایسے میں جب عالمگیریت پوری قوت کے ساتھ آئے گی تو مسلم ممالک کی معیشتیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔مسلم ممالک میں بڑی صنعتیں نہیں ہیں۔زیادہ زور ٹیکسٹائل پر رہا ہے اور اس میں مقابلہ سخت ہوگا۔الیکٹرونکس، آٹومیشن، اسلحہ اور Space Science کے میدان میں کوئی پیش رفت نہیں ہے۔حتیٰ کہ زرعی میدان میں بھی مشینری کی کمی ہے۔امکان ہے کہ مسلم ممالک کی زمینیں اور زرعی اثاثے کثیر القوی کمپنیوں کے ہاتھ بیچ دیے جائیں گے۔کیونکہ عالمی ساہوکاروں نے سرمایہ کاری کے نام پر قبضہ کی پالیسی تیار کر رکھی ہے اور ہمارے ارباب اختیار چند سکوں کے عوض قیمتی اثاثے لٹانے کیلئے تیار ہوں گے۔اس سے ان کی وقتی ضرورتیں تو پوری ہو جائیں گی،لیکن قوم اپنے مستقل اثاثوں سے محروم ہو جائے گی۔عالمگیریت مسلمانوں کیلئے بڑا چیلنج ہے۔کیونکہ اس کے ذریعے سے وہ معاشی طور پر مفلوج، سیاسی طور پر مغلوب اور ثقافتی طور پر شدید فساد اور انتشار کا شکار ہو جائیں گے۔عالمگیریت کا بنیادی مقصد مغربی تہذیب کا غلبہ ہے۔نیز پوری دنیا کو مغربی کلچر کا پابند بنانا، مغربی بداخلاقی کی اقدار کو اپنانا اور مغربی معیشت کے استحکام کیلئے کام کرنا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ عالمگیریت کا سب سے بڑا چیلنج مسلمانوں کو درپیش ہے تو بے جا نہ ہوگا۔عالمگیریت یورپ اور امریکہ کی مرکزیت پر مبنی ہے۔ اس کا فلسفہ، اس کا عملی پروگرام، اس کا نفاذ اور اس کا طریق کار سب مغربی تہذیب کے غلبے ہی کیلئے ہے۔یہ تو وقت بتائے گا کہ مغربی تہذیب کا پودا اسلامی ممالک میں کیسے پھلے گا اور کس طرح ثمر آور ہوگا۔سر دست تو اس کے نفوذ کیلئے بھرپور کوشش کی جا رہی ہے اور مسلم ممالک میں دائیں اور بائیں بازو کے دانشور، حکومتی کارندے، سرمایہ کار NGOs کے کارکن پوری تندہی سے اس عظیم کام میں عالمی استعمار کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کا لائحہ عمل:

مغربی تہذیب کے موجودہ چیلنج اور دنیا کی واحد بڑی طاقت کی عیاں جارحیت کے سامنے دو ہی راستے کھلے ہیں ۔ایک مکمل اطاعت کا اور دوسرا اپنے تشخص کے تحفظ کا۔ مسلم ممالک کے ارباب اختیار تو شاید پہلے راستے کو منتخب کریں کیونکہ اس میں ان کی اپنی حفاظت کا راز پنہاں ہے اور ان کے مفادات مغربی تہذیب کے غلبے سے وابستہ ہیں۔لہٰذا وہ اس طریق کار کا ساتھ دیں گے اور عالمگیریت کو سہولتیں بہم پہنچائیں گے۔لیکن مسلم ممالک کے اہل دین بالخصوص اور عوام بالعموم شاید اپنی اقدار کی تباہی اور اپنے تشخص کی معدومیت کو قبول نہ کریں ۔اسلامی اخلاق و اقدار کے تحفظ کیلئے شاید کوئی اقدام کریں اور اس طرح خطرہ ہے کہ مسلم معاشرے داخلی طور پر تصادم کی راہ پر چل نکلیں، جو کسی طرح بھی اُمت کے مفاد میں نہیں ۔گو عالمگیریت کے علمبردار اس سے خوش ہوں گے ۔ان کے نزدیک یہ بھی غلبہ کی تحریک کا ایک پڑاؤ ہے اور اس میں کامیابی عالمگیریت کے استحکام میں معاون ثابت ہوگی ۔مسلمانوں کو سوچ سمجھ کر اپنے ردِ عمل کا اظہار کرنا چاہیے اور ان طریقوں کے بارے میں سوچنا چاہیے جن سے وہ اس صورتِ حال کا مقابلہ کرسکیں ۔مسلم معاشروں کیلئے الگ الگ لائحہ عمل اختیار کرنے کی بجائے ایک متحدہ لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا کیونکہ عالمگیریت کے سلسلے میں مغرب نے متحدہ لائحہ عمل اپنایا ہے ۔مثلاً شریعت کے نفاذ کی مخالفت میں تمام مغربی ممالک متفق ہیں، آزاد خیالی کے حق میں سب متحد ہیں، لادین مغربی جمہوریت کے حق میں سب متحد ہیں اور نام نہاد انسانی حقوق کی پاسداری میں سب متفق ہیں ۔لہٰذا اُمت مسلمہ کو متحدہ لائحہ عمل تیار کرنا اور اپنانا ہوگا ۔اس کے بغیر مزاحمت ممکن نہیں ۔

روحانی لائحہ عمل:

اُمت مسلمہ ایک روحانی گروہ ہے اس کی اساس کائنات کی روحانی تعبیر پر مبنی ہے ۔توحید الوہیت اور توحید ربوبیت اس روحانی تعبیر کی بنیاد ہے ۔اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق، اسے نشوونما دینے اور اسے کنٹرول کرنے والا ہے ۔انسان کی راہنمائی کیلئے اس نے نبوت و رسالت کا

ادارہ قائم کیا جو وحی الٰہی کی بنیاد پر فرد اور معاشرے کی اصلاح ونشو ونما کیلئے کام کرتا رہا۔ مغرب اس روحانی اساس کا انکار کرتا ہے۔ اس کے ہاں خالق کائنات کا حیاتِ انسانی کی تعمیر وترقی میں کوئی حوالہ نہیں۔ اس کی نظر میں وحی الٰہی ایک موہوم تصور ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ مغرب اس وقت کائنات کی مادّی تعبیر پر یقین رکھتا ہے اور حیاتِ انسانی کی تعمیر مادّی اصول و ضوابط کے حوالے سے ہی کر رہا ہے۔ جب تک مسلمان اپنے عقیدے پر مضبوط ایمان کو اختیار نہیں کریں گے، اس وقت تک اس حملے کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اُمت مسلمہ کا ہر فرد تجدید عہد کرے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مستحکم کرنے کا انتظام کرے تاکہ وہ اس جارحیت میں ثابت قدم رہے اور حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے اپنی محبت واطاعت کے تعلق کو مضبوط کرے اور اس کے خلاف کوئی چیز قبول نہ کرے۔ حبّ الٰہی اور حبِ رسول ﷺ مسلمان کا حصار اور اس کا کامیاب ہتھیار ہے۔ اسی سے اُمت نے اب تک ہر چیلنج کا مقابلہ کیا ہے۔

اُمت کے آفاقی تصور کا استحکام:

روحانی لائحہ عمل کا دوسرا نکتہ اُمت کا عالمی تصوّر ہے۔ اسلام کا تصوّرِ آفاقیت روحانی بھی ہے اور مثبت بھی۔ اُمت مسلمہ رنگ ونسل اور جغرافیائی وحدتوں کے بجائے ایک روحانی الاصل گروہ ہے جو Transnational ہے۔ توحید اس تصور کو مستحکم کرتی ہے، رسالت اجتماعیت کو مضبوط بناتی ہے اور کعبۃ اللہ ایک مرکز پر مجتمع کرتا ہے۔

مسلمانوں کو عالمی روحانی قوت بننے کیلئے کسی نئے فریم ورک پر کوئی بڑی جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی بنیادیں موجود ہیں، تصور موجود ہے، مسلمان عوام کے اندر تڑپ موجود ہے، اسے صرف منظّم اور متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے دشمنوں نے اُمت کے اس تصور کو ختم کرنے کیلئے قومیت کی تحریک متعارف کرائی اور دورِ استعمار میں عالم اسلام کو ٹکڑوں میں بانٹا اور چھوٹی چھوٹی پارٹیوں کو مستحکم کرنے اور باہم لڑانے کیلئے منصوبہ بندی کی۔ چونکہ اُمت روحانی اساس اور نظریاتی تصوّر پر قائم ہے، اس لئے اسلام کے خلاف جارحانہ

مہم چلائی۔ضرورت اس بات کی ہے کہ احیاءِ اُمت کیلئے اس تصور کو فکری اور نظریاتی طور پر مستحکم کیا جائے۔ چونکہ اُمت کی شناخت حضور اکرم ﷺ کی قیادت سے ہے لہٰذا حبِ رسول اور اتباعِ رسول ﷺ کو محکم کرنے کے انتظامات کئے جائیں تا کہ خطرات کا مقابلہ کیا جا سکے۔

اخلاقی قدروں کا استحکام:

روحانی لائحہ عمل کا تیسرا نکتہ اخلاقی قدروں کا استحکام ہے۔مغرب نے سیکولرائزیشن کے تحت اخلاقی قدروں کو اضافی قرار دیا ہے۔وہ صرف انہی قدروں کا فروغ چاہتے ہیں جنہیں وہ دوست رکھتے ہیں۔اسلام ہمیں مستقل اور پائیدار قدروں سے روشناس کراتا ہے۔لہٰذا اخلاقی قدروں کی تغیر پذیری کو سختی سے رد کر دینا چاہیے اور مسلمان معاشروں میں نئی اقدار کی مزاحمت کرنی چاہیے۔ حیاء و عفت، غیرت، عدل، احسان، معروف و منکر اور شفقت و رحمت جیسی قدروں پر ہی معاشرے کا وجود منحصر ہے۔یہ ختم ہو گئیں تو معاشرے کا اسلامی تشخص ختم ہو جائے گا عالمگیریت دنیا میں فحاشی، بدکرداری، بے حیائی، بے غیرتی، خودغرضی اور ظلم کو نافذ کرنا چاہتی ہے۔ مسلمان معاشرے اپنی روحانی اساس کے استحکام میں اسلام کی عطاء کردہ اخلاقی قدروں کی حفاظت کریں۔یہی ان کی اصل قوت ہے۔مسلمان معاشرے اگر داخلی طور پر مضبوط ہونگے اور معاشرے کے افراد کا شعور بیدار ہوگا تو خارجی اثرات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔عالمگیریت کے پروگرام میں داخلی تضادات کو اُبھارنا اور اخلاقی بنیادوں کو کمزور کرنا شامل ہے۔عالمگیریت کو طاقتور میڈیا کی حمایت حاصل ہوگی اس لئے اس قوت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مسلمان معاشروں کی اصل قوت ان کا روحانی تشخص ہے اور اسی پر ساری مزاحمت کا دارومدار ہے۔ہمارے ہاں مذہبی اختلافات موجود ہیں اور گروہی وفاداریوں کی بنیاد پر اجتماعی قوت کمزور ہو سکتی ہے۔عالمگیریت مغرب کے اتحاد کا مظہر ہے اور مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا ذریعہ ہے اور اگر ہمارے فرقہ وارانہ اختلافات بڑھ گئے تو پھر عالمگیریت بغیر کسی مزاحمت کے کامیاب ہو جائے گی۔شعورِ اُمت کی پختگی، وحدتِ اُمت کا ادراک اور فرقہ وارانہ رواداری سے

ہم روحانی تشخص کو مضبوط کر سکتے ہیں۔یہی بچاؤ کا ذریعہ ہے اور اسی سے ہم وہ متبادل نظام دینے کے قابل ہوں گے جس میں انسانیت کی اصلاح و فلاح مضمر ہے۔

مادی لائحہ عمل:

مسلمان ممالک کا اجتماعی پلیٹ فارم موجود ہے لیکن مغرب نے اس کے اندر نقب لگائی ہوئی ہے۔بعض ممالک دانستہ طور پر عالمی استعمار کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔دلچسپ بات یہ ہے کہ او آئی سی میں یوگنڈا جیسے ممالک بھی شامل ہیں جس کا صدر عیسائی ہے۔اور مسلمان اقلیت میں ہیں۔او آئی سی کو اُمت مسلمہ کا نمائندہ ہونا چاہیے اور بنیادی طور پر وہی ممالک اس کے رکن ہونے چاہئیں جہاں حکومتیں مسلمان ہیں۔مسلم اقلیات کی شمولیت کا الگ نظام وضع کرنا چاہیے تا کہ پالیسی بناتے وقت کوئی غیر مسلم اس میں شامل نہ ہو۔یہ خطرہ تو ہمیشہ رہے گا کہ کوئی مسلمان استعمار کا جاسوس ہو اور ذاتی اغراض کیلئے اُمت سے غداری کرے،لیکن جانتے بوجھتے غیر مسلم کو اُمت کے اجتماعی پلیٹ فارم میں شامل کرنا حماقت کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔بدقسمتی سے او آئی سی نے اپنا کردار ادا نہیں کیا اور عملاً استعمار کے ہاتھ میں کھلونا ثابت ہوئی ہے۔اسے صحیح خطوط پر منظم کر کے اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔مادی لائحہ عمل میں جہاں مشترکہ پلیٹ فارم کی مضبوطی اور عمدہ تنظیم شامل ہے وہاں کچھ اور اقدام بھی ضروری ہیں جو مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

تصوّف کیا ھے؟

(سعد اللہ جان برق)

تصوّف کا موضوع بڑا وسیع ہے۔**تصوّف** کی اصل بنیاد پر کوئی بات نہیں کرتا بلکہ جہاں تک ہم نے دیکھا سنا اور پڑھا ہے، کم لوگ ہی اصل بنیاد سے واقف ہیں۔**تصوّف** ایک انتہائی ہمہ گیر کائناتی حقیقت ہے۔''**تصوّف**'' کو ہم ''**آدمیت**'' کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ آدمیت بالمقابل ابلیسیت۔یہی **تصوّف** کا اصل مفہوم ہے جسے ہم خیر اور شر کا نام بھی دے سکتے ہیں۔تصوف کی حقیقت ماہیت اور بنیاد کے لیے ہمیں اس کائنات کی ماہیت پر غور کرنا ہوگا۔ انسان اس عظیم و بسیط کائنات کے مقابل کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ انسان ایک ''جزو'' ہے اور کسی جزو کے لیے ''کل'' کا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔تھوڑا سا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کرۂ ارض یا زمین جس پر ہم رہ رہے ہیں اس سامنے والے سورج کے خاندان کا ایک رکن ہے جس میں نو یا دس سیارے اور بھی موجود ہیں، اپنے چاندوں کے ساتھ۔

انسان ابھی تک اپنے اس گھر اس خاندان کے سیاروں تک نہیں پہنچ پایا ہے اور کائنات میں صرف یہی ایک نظام شمسی نہیں ہے بلکہ سوارب کے لگ بھگ دوسرے سورج بھی اپنے اپنے خاندانوں سمیت صرف اس سامنے والی کہکشاں میں شامل ہیں جس میں ہم موجود ہیں اور اسے دودھیا یا ملکی وے کہکشاں کہا جاتا ہے۔اس طرح کی کہکشائیں اس کائنات میں سوارب اور بھی ہیں بلکہ کوئی چار یا پانچ مہینے پہلے ایک امریکی سائنس دان نے کہا ہے کہ یہ کہکشائیں اور سورج اس ارب والی تعداد سے آٹھ گنا زیادہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن پرانے حساب کے مطابق بھی دیکھیں تو کائنات میں سوارب دوسری زمینیں بھی ہو سکتی ہیں جن میں ہو سکتا ہے کہ ہماری طرح ذی روح مخلوق بھی ہو۔ایک اور حساب سے دیکھیں تو کائنات کا فاصلہ پندرہ کھرب نوری سال بتایا جاتا ہے۔نوری سال تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کر سکتی

ہے اور سال میں جتنا فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال کہتے ہیں۔اب پندرہ کھرب نوری سال کا فاصلہ طے کرنے کے لیے انسان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں، روشنی وہ بن نہیں سکتا اور اگر بنے گا تو راکھ بن جائے گا۔ اور پھر اس کی عمر؟ پوری انسانیت کی عمر اس وقت آٹھ دس ہزار سال سے زیادہ نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ انسان اس عظیم وبسیط اور بے کراں و بے حد و بے کنار کائنات کے مقابل کچھ بھی نہیں۔لیکن پھر خود رب عظیم نے اس کے سر میں دماغ نام کا یہ جو پاؤ بھر کا عضو فٹ کیا ہوا ہے وہ انتہائی متجسس ہے۔بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ اے انسان غور کرو فکر کرو کائنات پر زمین پر سورج چاند ستاروں پر پہاڑوں پر دریاؤں پر، ہر چیز پر غور کرو، سوچو اور اپنا علم بڑھاؤ تاکہ تم مجھے جان اور پہچان سکو۔

بہرحال کائنات سے متعلق مکمل جانکاری تو انسان کے لیے ممکن نہیں ہے لیکن پھر بھی رب جلیل کی ہدایت پر جتنا غور فکر انسان نے اپنی بضاعت کے مطابق کیا ہے اس میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس کائنات کی بنیاد دو ستونوں، دو پایوں اور دو چیزوں پر ہے اور وہ چیزیں منفی اور مثبت ہیں۔اگر کوئی چیز مثبت ہے تو اس کا منفی اور متضاد بھی ہوگا اور اگر منفی ہے تو اس کا مثبت بھی یقیناً ہوگا جیسے خیر کے مقابل شر، روشنی کے مقابل اندھیرا، اوپر کے مقابل نیچے، نرم کے مقابل سخت، بڑے کے مقابل چھوٹا، میٹھے کے مقابل کڑوا، سفید کے مقابل سیاہ، نر کے مقابل مادہ۔

یہ دونوں متضاد اور منفی مثبت ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے معاون بھی ہوتے ہیں اور پہچان بھی ہوتے ہیں۔جب یہ دونوں اپنے معروف طریقے پر ملتے ہیں یا متصادم ہوتے ہیں تو نئی پیدائش یعنی تیسری چیز وجود میں آتی ہے۔

اس منفی مثبت کو عربی میں ثنویت کہتے ہیں، انگریزی میں ڈوئلزم، ہندی فلسفے میں ادوتیاواد۔اور کنگ فوتسے یا کنفیوشس کے چینی فلسفے میں ین اور ینگ کہتے ہیں، سائنسی زبان میں نیگیٹیو، پازیٹیو کہا جاتا ہے۔تصوف کو اگر ہم ''خیر'' کو پازیٹیو کا نام دیں تو سب سے بہتر ہوگا

جبکہ نیگیٹیو کو شر سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔

آدمیت اور ابلیسیت یا خیر وشر یا کائناتی مثبت اور منفی سمجھنے کے لیے ہمیں اس کائنات کی بنیاد کو سمجھنا ہوگا۔ ربِ عظیم کے حکم کے مطابق انسان نے اپنی بضاعت اور استعداد کے مطابق کائنات پر جتنا غور وفکر کیا ہے، اس کے مطابق پوری کائنات اس کی موجودات اور سلسلہ تخلیق و تکوین کو سمجھنا تو انسان کے لیے ممکن نہیں لیکن جتنی استعداد ربِ جلیل نے اس کو دے رکھی ہے اس کے مطابق اس کائنات کی بنیاد اسی منفی و مثبت پر ہے۔ اور یہ منفی و مثبت کی بنیاد سائنس وطبیعات نے تو اب کوئی تین چار سو سال قبل معلوم کی ہے لیکن قرآن عظیم الشان نے چودہ پندرہ سو سال قبل اس کا ذکر زوج یا ازواج کے نام سے کیا ہے۔

زوج یا ازواج کا ذکر تو کئی مقامات پر آیا ہے۔ لیکن سورۃ یٰسین کی آیت 36 میں مکمل اور واضح طور پر ذکر آیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے سب کچھ جوڑوں یعنی ازواج میں پیدا کیا ہے چاہے وہ زمین سے اگتی یا پیدا ہوتی ہوں یا خود تمہارے نفس کے اندر ہے یا جو تمہارے علم میں ہے۔

الفاظ ہیں ''خلق الازواج کلھا'' اور ''کلھا'' میں وہ سب کچھ آجاتا ہے جو خالق اعظم کا پیدا کیا ہوا ہے یعنی پوری کائنات میں جو کچھ ہے وہ ''**کلھا**'' جوڑوں میں ہے کوئی مثبت ایسا نہیں ہے، جس کا کسی منفی سے جوڑا نہ بنتا ہو۔

اب تھوڑا سا سائنسی اور طبیعات کی روشنی میں بھی دیکھتے ہیں جو قرآن کی تصدیق کرتا ہے۔ اس وقت کائنات کی پیدائش کا طبیعاتی نظریہ بگ بینگ کا ہے اس کے مطابق اس بے حدو بے کراں کائنات کے عمق میں کوئی بیس یا سولہ ارب سال پہلے ایک ذرہ انتہائی زوردار

دھماکے کے ساتھ پھٹا تھا۔اس ذرّے یا ایٹم میں یہ کائنات مرتکز تھی جو پھیلنا شروع ہوئی اور ابھی تک پھیل رہی ہے۔اندازہ ہے کہ یہ کائنات آدھی عمر گزار چکی ہے اور اتنی ہی مدت یعنی بیس ارب سال تک اور یہ پھیلتی چلی جائے گی۔لیکن آخرکار ایک مقام ایسا آجائے گا کہ پھیلنا ختم ہو جائے گا اور پھر سکڑنے کا عمل شروع ہو جائے گا۔سکڑتے سکڑتے یہ سب کچھ ایک مرتبہ پھر اس ذرے یا ایٹم میں مرتکز ہو جائے گا اور ارتکاز کی آخری حد تک پہنچ کر پھر ایک دھماکے سے پھٹ جائے گا اور ایک نئی کائنات وجود میں آنا شروع ہو جائے گی۔

اب طبیعات والے یہ نہیں بتا سکتے ہیں کہ ہماری اس موجودہ کائنات سے پہلے کتنے ذرّے پھٹے ہیں کائناتیں بنی اور مٹی ہیں۔اور نہ یہ بتایا جا سکتا ہے کہ یہ سلسلہ آگے کہاں رک جائے گا۔کتنی کائناتیں وجود میں آئیں گی اور مٹیں گی گو ابتدا بھی نامعلوم اور انتہا بھی نامعلوم اور انسان یعنی جزو کے لیے یہ ممکن بھی نہیں کہ کل کا احاطہ کر سکے۔ایک شعر یاد آ رہا ہے شاید کچھ وضاحت ہو سکے۔

ہر تخیل سے ماورا ہے تو ہر تن میں ہے مگر موجود

ادراک ناممکن ہے عقل محدود تو ہے،لامحدود نہیں۔لیکن اس سے جو بات ہمارے سمجھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ کائنات کی پیدائش،افزائش اور پھر فنا بھی اسی منفی مثبت پر ہے۔ذرہ اٹھتا ہے پھیلتا ہے یہ ''انتشار'' ہے پھر سمٹتا ہے یکجا ہو جاتا ہے یہ ارتکاز ہے گویا کائنات کی بنیاد بھی ''انتشار'' اور ''ارتکاز'' کے زوج پر ہے۔ایک منفی ہے ایک پھیلاتا ہے دوسرا سمیٹتا ہے ایک پیدا کرتا ہے دوسرا فنا کرتا ہے۔یہ کائنات کی سب سے بڑی اور بنیادی زوج ہے جو ہر ہر شے میں جاری و ساری ہے انسان حیوان شجر حجر سب پیدا ہوتے ہیں مختلف مراحل سے گزرتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت ہو جائے کہ کائنات میں ''فنا'' نامی چیز کوئی نہیں وہی سب کچھ ہے جو اس ذرے کے اندر لیکن شکلیں حالتیں حیثیتیں بدلتا ہے۔کوئی بھی چیز فنا نہیں ہوتی انسان مر جاتا ہے لیکن اس کے عناصر مٹی میں موجود ہوتے ہیں۔

اب ایک اور بہت بڑے زوج کا کچھ ذکر بھی ہونا چاہیے کیونکہ یہ زوج بھی اس کائنات میں تخلیق کی بنیاد ہے اور یہ زوج مادے اور توانائی کی زوج ہے یہ دونوں مادہ اور توانائی اکیلے اکیلے کچھ بھی نہیں ہیں جیسے سائنسی زبان میں میٹر اور انرجی یا نامیاتی اور انرجی کہتے ہیں، ایک دوسرے کے بغیر یہ دونوں بیکار محض ہیں۔ مادہ تو ہمارے سامنے ہے کہ بے جان ہے ہل بھی نہیں سکتا لیکن توانائی اور انرجی بھی مادے کی مدد کے بغیر بیکار رہوتی ہے۔ اس کے لیے ہم بجلی کی مثال لیتے ہیں بجلی ایک بے پناہ طاقت کی حامل انرجی ہے لیکن مادی تار یا کسی موصول یا آلے کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر مادی تار کی مدد میسر نہ ہو تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتی اور پھر جب یہ کسی مادی آلے یا مشین میں جاتی ہے تو وہاں بھی مادی مشین اور آلے کی محتاج ہوتی ہے اکیلے کچھ نہیں کر سکتی۔

اسی طرح یہ جو ریڈیو ٹی وی موبائل وائرلیس وغیرہ کی شعاعیں ہیں بھلے ہی فضا میں آوارہ پھریں لیکن جب تک ان کو ریسیو کرنے کے لیے کوئی مادی آلہ نہیں ملتا بیکار محض ہوتی ہیں بلکہ توانائی کی حرکت اور سفر بھی کسی مادی آلے کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔

بجلی کے دو تار ساتھ ساتھ چل رہے ہیں دونوں مادی ہیں ان میں بھی منفی و مثبت ہوتے ہیں، یہ دونوں اکیلے اکیلے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جب یہ مادے آلے میں معروف اور مقررہ اصولوں کے تحت یکجا ہوتے ہیں تب کسی کام کے ہو جاتے ہیں۔ اگر دونوں کو براہ راست ملا دیا جائے تو تباہی پھیلتی ہے اور یہ بھی قرآن نے بتایا ہے کہ جب جوڑے ٹوٹتے ہیں تو تباہی پھیلتی ہے، مثال ایٹم کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ ایٹم میں بھی نیوٹران اور پروٹان کا جوڑا ہوتا ہے جو معروف طریقے پر الیکٹرون پیدا کرتا ہے اور ایٹم کو برقرار رکھتا ہے لیکن یہ ایٹمی سائنس دان ایٹم کے اندر کا زوج غلط اور غیر معروف طریقے پر توڑ دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ بے پناہ تباہ کاری کی صورت میں نکلتا ہے۔

ایٹم بم کوئی بم نہیں بلکہ چند آلات کے ذریعے جہاں تباہی پھیلانا ہو وہاں ایٹم کا

اندرونی زوج توڑدیا جاتا ہے اور قرآن کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ جب جوڑے ٹوٹتے ہیں تو تباہی نازل ہوتی ہے۔ یہ دنیا میں اس وقت جو تباہی پھیل رہی ہے یہ بھی خیر وشر کا جوڑا ٹوٹنے کا نتیجہ ہے۔

اس کائنات اور زمان ومکان کی بنیاد منفی ومثبت یا قرآنی اصطلاح زوج یا جوڑوں پر قائم ہے، اس لیے اب ہم ”چھوٹی کائنات انسان کی طرف آتے ہیں جو اپنی جگہ ایک باقاعدہ کائنات ہے۔ دنیا کی باقی تمام مخلوقات حتیٰ کہ ملائکہ تک جبلت اور فطرت کی طابع ہوتی ہے صرف انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جس کے اندر منفی ومثبت کا جوڑا یکجا موجود ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جسے یہ اختیار، یہ آزادی اور یہ فہم حاصل ہے کہ چاہے تو شر اور ابلیس بھی بن سکتا ہے اور چاہے تو آدم سراسر خیر بھی بن سکتا ہے یعنی منفی ومثبت دونوں اس کے اندر یکجا ہیں یہاں ہم اس کی جسمانی زوج یا منفی ومثبت یعنی نرو مادہ کی بات نہیں کر رہے کیونکہ نرو مادہ صرف ایک جسمانی فرق ہے، انسانیت اور فہم یا عمل میں نرو مادہ یکساں طور پر انسان ہیں اور دونوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ شر پسند بھی بن سکتے ہیں اور خیر پسند بھی چاہے تو ملائکہ سے بھی اوپر چلا جائے اور چاہے تو ابلیس سے بھی دو قدم آگے نکل جائے۔

اور اسی بات کی صراحت رب جلیل نے کی ہے کہ میں نے تو اسے ”احسن تقویم“ پر پیدا کیا ہے، یعنی یہ واحد مخلوق ہے جسے خدا نے تمام مخلوقات سے برتر ذہن اور برا بھلا پہچاننے والا بنایا تاکہ وہ زمین پر رب ذوالجلال کی ”نیابت“ کا تاج پہننے کے قابل ہو جائے لیکن اس نے خود کو طرح طرح کے گناہوں میں لتھیڑ کر ”اسفل سافلین“ میں گرا لیا ہے۔

انسان کی یہی دو سرشتیں دو مزاج اور دو طبائع ہیں جس کی بنیاد پر وہ منفی بھی بن سکتا ہے زمین پر شر کا نمائندہ بھی بن سکتا ہے اور خدا کا خلیفہ بن کر مثبت کردار بھی اپنا سکتا ہے۔

آدم جو خیر ہے، امن ہے، مثبت ہے، اور ابلیس جو شر ہے، خون ریزی ہے اور منفی ہے مذاہب، طبیعات، ارضیات اور عمرانیات کی روشنی میں جب ہم اس وقت سے بات شروع کرتے ہیں جب بنی نوع انسان عقل وشعور کا مالک ہو کر جنت میں رہتا تھا، جنت کی بحث بھی ہم صرف

زمانی جنت کی بات کریں گے۔ وہ دور جب آبادی کم اور خوراک وافر تھی، انسان جہاں سے چاہتا تھا ہاتھ بڑھا کر کھا پی لیتا تھا، جہاں جی چاہتا پڑا رہتا تھا۔ کسی قسم کی تکلیف نہیں تھی۔ آزاد تھا۔ جھگڑا نہیں تھا، کشمکش نہیں تھی کیونکہ اس کی واحد ضرورت پیٹ بھرنا تھا اور خوراک وافر تھی۔ گویا زمین بہشت ہی بہشت تھی۔

بہشت آں جا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

میٹھے پانی کے چشمے تھے گویا دودھ شہد کی نہریں تھیں۔ لیکن آہستہ آہستہ آبادی بڑھتی گئی، خوراک کی قلت ہوئی اور اس کے لیے چھینا جھپٹی کا آغاز ہوا۔ چونکہ ہماری تحقیق کے مطابق وہ مقام یہ پہاڑی سلسلہ اور اردگرد کی زمین تھی اس لیے کچھ جغرافیائی عوامل نے بھی کام کیا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں ایک دیوار کی طرح سمندری ہواؤں اور بارشوں کے لیے رکاوٹ بھی بن گئیں۔ چنانچہ وسطی ایشیا ریگستانوں میں بدل گیا۔

یہی وہ دور تھا جب کچھ لوگوں نے گوشت خوری اور شکار کو پیشہ بنا لیا۔ حالانکہ ابتدائی شجر نشین اجداد سے لے کر مانس تک انسان سبزی خور تھا۔ گوشت خور شکاریوں کے پاس پتھر کے ہتھیار بھی آ گئے۔ گوشت خوری کی وجہ سے طاقتور بھی تھے اور اسی وجہ سے ان میں حیوانیت بھی تھی جبکہ سبزی خور، غلہ خور نرم مزاج اور امن پسند تھے۔

پھر دنیا کا پہلا کیمیائی انقلاب آگ کی صورت میں گوشت خور شکاریوں کے ہاتھ لگا، پتھروں کی ٹکراؤ سے پیدا ہونے والی یہ کیمیائی ایجاد اس زمانے میں ٹھیک اسی طرح تھی جس طرح ''ایٹمی طاقت تھی'' جس طرح آج ایٹمی طاقتوں کے غرور کی حد نہیں، ویسے ہی اس زمانے میں آگ ایجاد کرنے والوں کی تھی۔ یہیں سے ان کے سروں میں ناری یا ایٹمی ہونے کا خناس پیدا ہو گیا۔ نہ صرف خاکی رزق کھانے والوں کو حقیر جانا بلکہ ان کو پہاڑوں کے باغوں، غاروں اور پناہ گاہوں سے بھی بھگا دیا۔

چنانچہ ہموار زمینوں میں پانی کے قریب زمین ہی کے ہو گئے ۔ زمین سے خوراک پیدا کرتے تھے، گھر بناتے تھے اور مرنے کے بعد ''زمین ماں'' کے سینے میں دفن ہو جاتے تھے ۔

زراعت اور فصل کے انتظار کے لیے ایک جگہ ٹھہرنا ضروری ہوتا ہے چنانچہ انسانی اجتماعی بستیاں بسا کر تہذیب و تمدن کے بھی عادی ہو گئے ۔

انسان کا ذہنی ارتقاء بھی برابر جاری رہا چنانچہ وقتی طور پر آنے والے غارت گروں اور لٹیروں نے سوچا کہ واپس جایا ہی کیوں جائے ۔ہتھیار تو ان کے پاس تھے چنانچہ لٹیرے سے حاکم اور محافظ بن گئے ۔ گویا گائے کو ''دھو کر'' کھانا شروع کر دیا ۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک یہ ''محافظ'' کسی نہ کسی نام سے پندرہ فیصد ہونے کے باوجود پچاسی فیصد آدمیوں پر مسلط ہے ۔ کبھی بادشاہ، کبھی فاتح، کبھی سردار، کبھی شہنشاہ، کبھی آمر اور کبھی اس نہایت خطرناک ہتھیار جمہوریت سے کام لیتا ہے ۔خود کو عوام کی جان و مال کا محافظ دین و عقیدے کا محافظ وطن اور قوم کا محافظ بنا کر ''عوام'' کی خدمت کرتا ہے ۔ کس لیے؟ کیا وہ اتنا نیک اور انسان دوست مذہب دوست ہے؟ جی نہیں رکھوالا باغ کی حفاظت اس لیے کرتا ہے کہ کوئی اور اس کا پھل نہ توڑے اور میں خود ہی سارا پھل جھولی میں ڈال لوں ۔ دنیا کسی بھی عسکریت، حاکیت اور اشرافیہ کا طریقہ واردات یہی ہوتا ہے ۔ دشمن تو نہ جانے کب آئے یا نہ آئے لیکن محافظ حفاظت کے نام پر وہ سب کچھ اس سے چھینتا ہے جو چھیننے کے لائق ہوتا ہے ۔

دراصل یہاں پر ایک اور سائنسی حقیقت بھی کارفرما ہوتی ہے ۔ چارلس ڈارون اور فرنچ عالم لامراک نے ارتقاء کا یہ اصول بیان کیا ہے کہ کوئی عضو جب زیادہ استعمال ہو جاتا ہے تو وہ مضبوط اور طاقت ور ہو جاتا ہے اور جس عضو سے کام نہیں لیا جاتا وہ کمزور ہوتے ہوتے معدوم ہو جاتا ہے پس حاکمیہ اور اشرافیہ نے ایسا بندوبست کیا ہوا ہے کہ خود تو دماغ کا بے پناہ استعمال کر کے طرح طرح کے پینترے، جذباتی نعرے اور اپنی مدح سرائیاں ایجاد کرتا ہے ۔ چنانچہ صدیوں بلکہ ہزاروں سال سے دماغ کے اس استعمال سے طاقتور جبکہ جسم عدم استعمال

کی وجہ سے اتنے نازک ہو گئے ہیں کہ ایک پھول بھی نہیں توڑ سکتے۔ ادھر عوامیہ کو دماغ استعمال نہ کرنے اور صرف جسم سے کام لینے پر لگایا ہوا ہے۔ چنانچہ عوامیہ کے جسم سخت اور ان کے لیے کماؤ ہو چکے ہیں اور دماغ اتنا بیکار ہے کہ اشرافیہ جیسا بھی استعمال چاہیں ہو جاتے ہیں۔

یہی ہے منفی و مثبت یا آدمیت و ابلیسیت کا رشتہ۔ ہمارے خیال میں آدم یا صوفی یا خیر سارے کے سارے عوام ہیں جو محنت کرتے ہیں۔ حق حلال کی روزی خود کھاتے ہیں معاشرے کو دیتے ہیں، چرند پرند اور کیڑے مکوڑوں کو بھی کھلاتے ہیں، کسی کو ضرر نہیں پہنچاتے، معاشرے میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں، ہمدرد ہوتے ہیں اور ''ہم'' کے علمبردار ہوتے ہیں جبکہ اس کے مقابل ہر وہ انسان جو ''میں'' کا علمبردار، برتری کا خناس رکھتا ہے، مفت کی کھاتا ہے، چھینتا ہے، لوٹتا ہے، وہ ابلیسیت کے زمرے میں آتا ہے جس کے پاس پہلے بھی آگ تھی اور اب بھی صرف آگ بھڑکاتے رہتے ہیں۔

ہمارے خیال میں وہ کسان جو دن بھر کھیت میں کام کرتا ہے، سر تا پا مٹی اور پسینے سے شرابور ہے اور نماز کا وقت ہونے پر وضو کر کے کھیت کی مینڈھ پر قبلہ رو ہو جاتا ہے، سب سے بڑا صوفی ہے۔ وہ جولاہا، وہ مزدور، وہ ترکھان، وہ لوہار بھی صوفی ہے جو انسانی معاشرے کو اپنی خدمات سے مستفید کرتا ہے۔ روکھی سوکھی کھاتا ہے، دوسرے کے غم درد میں شریک ہوتا ہے، وہ بہترین صوفی، بہترین آدم اور بہترین خیر ہے۔

تبلیغ دین

(بنت الاسلام)

تزکیہ نفس کے سلسلے میں آخری مگر ازحد اہم بات یہ ہے کہ اپنے نفس کے تزکیہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کے نفوس کے تزکیے کی کوشش بھی جاری رکھی جائے ،یعنی دین کی تبلیغ کا کام بھی ساتھ ساتھ کیا جاتا رہے ۔بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کرنا اور دین کی تبلیغ کرنا ،دو علیحدہ علیحدہ کام ہیں مگر درحقیقت یہ دونوں چیزیں ایک ہی کام کے دو حصے ہیں ۔سورہ آل عمران، آیت 110 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"(اب دنیا میں وہ) بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں (کی ہدایت اور اصلاح) کیلئے میدان میں لایا گیا ہے ۔تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

اب اگر مسلمانوں نے لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فریضہ سرانجام دینا ہے تو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ پہلے وہ خود نیکی کے عامل بنیں اور برائی سے رک جائیں کیونکہ جب تک وہ خود ایسا نہ کریں گے دوسروں پر ان کی تبلیغ کچھ اثر نہیں کرے گی ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو بے عمل انسان کی زبان میں اثر نہیں ہوتا ،دوسرے جب لوگ دیکھیں گے کہ نیکی کی طرف دعوت دینے والے کی اپنی زندگی نیکیوں سے خالی ہے تو وہ کاہے کے لئے اس کی نصائح پر کان دھریں گے ۔گویا تزکیہ نفس تبلیغ دین ہی کا ایک حصہ ہے۔

اب دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنے نفس کا تزکیہ کرنے والا ہی نیک صفات جنہیں وہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے اگر دوسروں کے سامنے بھی پیش کرتا رہے تو وہ چیزیں اس کے اپنے دل میں زیادہ اچھی طرح نقش ہو جاتی ہیں ۔مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"تبلیغ کرنے سے وہ بات اپنے دل میں پختہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے کو تسلی دینے سے اپنے دل کو تسلی آ جاتی ہے، دوسرے کی ہمت بندھانے سے اپنی ہمت بندھ جاتی ہے"۔

گویا تبلیغ دین تزکیہ نفس ہی کا ایک حصہ ہے۔!

اسطرح یہ دونوں عمل یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے کی کوشش اور دین کی تبلیغ کرنے کی سعی ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتے ہیں اور دونوں مل کر مسلمان کے عظیم مقصد زندگی کے دو حصے بن جاتے ہیں اور وہ مقصد زندگی کیا ہے؟ اللہ کی مخلوق کو اللہ کے احکام کی پابند بنانے کی سعی۔

انسان اپنے ماحول سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ محسوس یہ کیا گیا ہے کہ ماحول کی اچھائیوں کی بہ نسبت اس کی برائیاں زیادہ جلدی اثر انداز ہوتی ہیں۔ لہٰذا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرنا ہے، اسے ساتھ ساتھ اس ماحول کو بھی پاک کرنے کی سعی جاری رکھنی چاہیے جس میں وہ رہ رہا ہے۔ ورنہ ماحول کا اثر اس کی تزکیہ نفس کی بہت سی کوششوں کو ساتھ ساتھ ضائع کرتا رہے گا۔ اب یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کی ماحول کو درست کرنے کی کوشش سو فیصد کامیاب ہی ہو جائے مگر یہ بھی یقین رکھنا چاہیے کہ وہ سو فیصد ناکام بھی نہیں رہے گی۔ خلوص دل سے کی ہوئی کوشش ضرور نتائج پیدا کرتی ہے اور ان نتائج میں سے ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ ماحول کی اصلاح کی کوشش کرنے والا شخص اپنی اس کوشش کی برکت سے خود ماحول کے برے اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے

اللہ تعالیٰ نے جو عبادات ہم پر فرض کی ہیں اور جو بڑے بڑے حکم دیے ہیں وہ صرف ثواب ہی نہیں لاتے بلکہ اصلاحِ نفس پر بھی براہ راست اثر ڈالتے ہیں۔ مثلاً:

☆ نماز غفلت کو دور کرتی ہے۔

☆ روزہ خواہشات کا زور توڑتا ہے۔

☆ زکوٰۃ دولت کی حرص اور لالچ کو ختم کرتی ہے۔

☆ حج ان تینوں اقسام کے نتائج پیدا کرتا ہے۔

☆ تبلیغ دین ماحول کے برے اثرات سے بچاتی ہے۔

دین کی تبلیغ تزکیہ نفس کی جدوجہد پر ایک اور طریقے سے بھی اثر انداز ہوتی ہے۔
وہ اسطرح کہ جب انسان بیک وقت دو مشکل کام شروع کرتا ہے تو دونوں میں سے جو مشکل تر ہوگا اس کے مقابلے میں نسبتاً کم مشکل کام آسان لگنے لگے گا۔ چاہے فی نفسہ وہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو اب تزکیہ نفس اور تبلیغ دین دونوں ہی مشکل کام ہیں لیکن اگر ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ تبلیغ دین مشکل تر ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تزکیہ نفس میں انسان کا معاملہ اپنے آپ کے ساتھ ہوتا ہے مگر تبلیغ دین میں اسے دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ اب جب انسان کا اپنا آپ بھی اس کی بات آسانی سے نہیں مانتا تو دوسرے تو پھر دوسرے ہی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کی بات پر کان دھریں اور اصلاح کی طرف مائل ہو جائیں مگر یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ آپ کی بات سننے کے بھی روادار نہ ہوں۔ اب اگر اپنا دل نیکی کی طرف نہ آتا ہو تو انسان اسے مجبور بھی کر سکتا ہے مگر دوسروں پر انسان کا کوئی زور نہیں ہوتا کہ وہ انہیں مجبور کر کے نیکی کی طرف لا سکے۔ ان کا جی چاہے گا تو وہ آپ کی بات مانیں گے نہیں چاہے گا تو نہیں مانیں گے۔

ایسی صورت میں پھر انسان کو اس بات کا گہرا احساس ہوتا ہے کہ تزکیہ نفس فی نفسہ چاہے کتنا ہی مشکل کام کیوں نہ ہو لیکن تبلیغ دین کے مقابلے میں بے حد آسان ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے کسی شخص کے ساتھ جدوجہد شروع کر رکھی ہے کہ کسی طرح وہ اپنے پیسے کی زکوٰۃ ادا کرتے رہنے کی فرضیت کو سمجھ لے اور زکوٰۃ ادا کیا کرے۔ مگر وہ ہے کہ بہانوں پر بہانے اور کٹ حجتیوں پر کٹ حجتیاں کیے چلا جا رہا ہے اور کسی طرح بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کی طرف نہیں آتا۔ اس وقت آپ کو احساس ہوگا کہ خود زکوٰۃ ادا کرنا کتنا آسان کام ہے۔!

یہی حال دین کے دوسرے اوامر اور نواہی کا سمجھ لیں۔ ان پر عمل کروانے کی کوشش میں مصروف ہو کر پتہ چلتا ہے کہ خود ان پر عمل کرنا نسبتاً کتنا سہل ہے۔ اب جو شخص صرف اصلاحِ نفس ہی کو مقصد بنائے رکھے گا اور دوسرے انسانوں کی اصلاح کو اپنی ذمہ داریوں سے خارج سمجھے گا اس کے لئے پھر اصلاحِ نفس ہی بہت بڑا مشکل کام بن جائے گا۔ مگر جو اس مشکل کام کے ساتھ

مشکل تر کام کو بھی شامل رکھے گا۔ اسے اپنے اس مشکل تر کام کے مقابلے میں اصلاحِ نفس کا کام آسان معلوم ہوگا۔ دوسروں کے ساتھ جدوجہد کرنے والوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ اپنے آپ کے ساتھ جدوجہد کرنا اتنا مشکل کام نہیں جتنا یہ اس وقت محسوس ہوتا ہے جب ہم صرف یہی کام کر رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ احساس کہ اصلاحِ نفس تو ایک آسان کام ہے اصلاحِ نفس کی رفتار کو تیز کرتا ہے

اللہ کے دین کو اللہ کی مخلوق تک پہنچاتے رہنا وہ ضروری کام ہے جس سے غفلت برت کر مسلمانوں نے ہمیشہ عذاب سہے ہیں اور انواع واقسام کی الجھنوں اور پریشانیوں کا سامنا کیا ہے

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کا کلام اس کے خلاف ہی جاتا ہے اس کے حق میں نہیں جاتا۔ سوائے اس کے کہ (وہ کلام یہ ہو کہ) نیکی کا حکم دیا جائے، برائی سے روکا جائے اور اللہ عزوجل کا ذکر کیا جائے۔ (ابن ماجہ)

آخر میں اس ساری بحث کے خلاصے کے طور پر اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ تزکیہ نفس کے سلسلے میں یہ سات امور ایسے ہیں کہ جو شخص بھی ان پر کماحقہٗ عمل کرے گا اس کے لئے یہ کٹھن کام بہت حد تک سہل ہو جائے گا۔ یعنی جو شخص:

- ☆ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے گا۔
- ☆ جو اپنے کیے پر شرمسار ہو کر توبہ اور استغفار کرتا رہے گا۔
- ☆ جو نفس کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا اور اس کو قابو میں رکھے گا۔
- ☆ جو نیک صحبت میں بیٹھے گا۔
- ☆ جو اپنی زبان کی حفاظت کرے گا۔
- ☆ جو آخرت کی جوابدہی کا گہرا احساس رکھے گا۔
- ☆ اور جو دین کی تبلیغ کرتا رہے گا۔

اس کی تزکیہ نفس کی راہیں اس کی توقع سے زیادہ ہموار اور آسان ہو جائیں گی!۔

ہیلتھ کارنر مائیکروویو استعمال کرنے کے نقصانات

(حافظ محمد یٰسین)

رات کا بچا ہوا کھانا مائیکرو ویو اوون سے گرم کرنا ایک عام سی بات ہے ۔ مائیکرو ویو طویل عرصے سے گھروں میں استعمال کیا جا رہا ہے ۔ لوگ کھانا پکانے یا کھانا گرم کرنے کے لیے گیس کے چولہے استعمال کرتے ہیں اور مائیکرو ویو بھی ۔ مائیکرو ویو بجلی سے چلتا ہے اور عام چولہا گیس سے ۔

حال ہی میں امریکہ میں کی گئی ایک تحقیق میں ڈاکٹر مرکولا نے انکشاف کیا ہے کہ مائیکرو ویو استعمال کرنا صحت کے لیے نقصان دہ ہے ۔ انہوں نے کہا ہے کہ مائیکرو ویو میں جو حدت ہوتی ہے، اس سے غذا کے سالمیات (مالیکیولز) میں بہت تبدیلی آ جاتی ہے اور اس تبدیلی سے اس کی غذائیت ضائع ہو جاتی ہے ۔ انہوں نے مائیکرو ویو استعمال کرنے والے افراد کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مائیکرو ویو استعمال کرنے کی بجائے اپنی غذاؤں کو عام چولہے کی ہلکی آنچ پر بھاپ میں پکائیں یا توے پر بھون لیں ۔ اس صورت میں آپ مائیکرو ویو سے پہنچنے والے نقصانات سے محفوظ رہیں گے

تحقیق کار ڈاکٹر لیتا لی نے اپنی کتاب میں انکشاف کیا ہے کہ مائیکرو ویو کو جب چلایا جاتا ہے تو اس میں سے برقی مقناطیسی شعائیں خارج ہوتی ہیں ۔ جب ہم مائیکرو ویو میں کوئی کھانے کی چیز گرم کرنے یا پکانے کے لیے رکھتے ہیں تو یہ برقی مقناطیسی شعائیں غذا میں شامل ہو جاتی ہیں اور غذا میں ایسے اثرات پیدا کر دیتی ہیں کہ اسے کھانے سے سرطان ہو سکتا ہے ۔ مائیکرو ویو میں پکے ہوئے کھانوں کو کھانے سے خون کے سرخ اور سفید خلیات میں کمی ہو جاتی ہے

اور یہ کمی اسی برقی مقناطیسی شعاعوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔اس کے علاوہ ہم پر گہری تھکن طاری ہو سکتی ہے۔ہمارا سر چکرا سکتا ہے اور ہمارے دل کی رفتار بھی معمول سے بڑھ سکتی ہے۔

مائیکرو ویو استعمال کرتے ہوئے ہم یہ کرتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی غذا گرم کرنی ہوتی ہے تو ہم پلاسٹک کے برتن میں ڈال کر مائیکرو ویو میں رکھ دیتے ہیں۔جو ایک خطرناک غلطی ہے۔پلاسٹک کے برتنوں میں ایسے کیمیائی اجزاء ہوتے ہیں، جو مضر صحت ہوتے ہیں اور یہ اجزا غذا میں شامل ہو جاتے ہیں، جو اس میں گرم کی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ پلاسٹک زیادہ گرمی برداشت نہیں کر سکتا اور پگھلنے لگتا ہے۔ مذکورہ تحقیق کے مطابق پلاسٹک سے خارج ہونے والے ان مضر صحت اجزا کی مقدار جسم میں بڑھ جاتی ہے جو حساسیت، ہائی بلڈ پریشر، دماغی توازن میں خرابی، وزن کا بڑھنا اور دل کی بیماریاں گھیر لیتی ہیں۔اس وجہ سے تحقیق کاروں کا مشورہ ہے کہ نہ مائیکرو ویو میں کھانے پکائے یا گرم کیے جائیں اور نہ اس میں پلاسٹک کا برتن رکھا جائے۔پلاسٹک کے برتن تو ویسے بھی استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔کیوں کہ تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ صحت کے لیے مضر ہوتے ہیں۔

آئندہ جب آپ کا دل چاہ رہا ہو کہ گرم گرم پاپ کارن کھائے جائیں یا چائے یا کافی پی جائے تو مائیکرو ویو استعمال کرنے کی بجائے گھر میں موجود عام چولہا استعمال کیجیے۔چولہے پر پکی ہوئی یا گرم کی ہوئی غذا مضر صحت نہیں ہوتی۔

علامات قیامت

(پیر خان توحیدی)

آخری زمانے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں:

☆...... اسلام کا نام اور قرآن کے الفاظ رہ جائیں گے۔

☆...... مسجدیں سجائی جائیں گی ان میں دنیا کی باتیں ہوں گی۔

☆...... بڑی بڑی مسجدیں ہوں گی اور نمازی کم ہوں گے۔

☆...... دین کا کام کرنے والے اجنبی ہوں گے۔

☆...... دین کا کام کرنے والوں سے مذاق کیا جائے گا۔

☆...... حدیث کے ماننے سے انکار کیا جائے گا۔

☆...... رشوت ہدیے کے طور پر دی جائے گی اور کنجوسی عام ہوگی۔

☆...... جھوٹ عام ہوگا اور عالم بے عمل ہوگا۔

☆...... سود عام ہوگا، حرام حلال کا خیال نہ ہوگا۔

☆...... ننگی عورتیں مردوں کو اپنی طرف متوجہ کریں گی یعنی تنگ کپڑے پہنیں گی۔

☆...... دیندار رہنا ہاتھ میں چنگاری لینے کے برابر ہوگا۔

☆...... ظاہر دوست اور دل میں دشمن ہوگا۔

☆...... ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی اور بیویوں کی عزت ہوگی۔

☆...... گانا بجانا عام ہوگا ہر گھر میں آلات موسیقی عام ہوں گے۔

☆...... غیر مذہبوں کی شکل وصورت اختیار کی جائے گی۔

☆...... بلند مکانات پر فخر ہوگا۔

☆...... بے ہودہ الفاظ اور گالی فخر کے ساتھ دی جائے گی۔

☆...... ناچ گانے والوں اور طوائفوں کی عزت کی جائے گی۔

☆...... مسلمان مالدار ہوں گے لیکن دیندار نہ ہوں گے۔

☆...... ظالم کو ظالم کہنا بند ہو جائے گا۔ فریضۂ تبلیغ چھوٹ جائے گا۔

☆...... گمراہ کن لیڈر پیدا ہوں گے، بڑے عہدوں پر نالائق ہوں گے۔

☆...... پیسے والوں کی عزت ہوں گی۔

☆...... مسلمان تفرقوں میں بٹ کر آپس میں لڑیں گے۔

☆...... جگہ جگہ کفار مسلمان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ جیسے بھوکے دسترخوان پر۔

☆...... مسلمان کبھی ختم نہ ہوں گے ایک جماعت حق پر قائم رہے گی۔

☆...... صحابہؓ جیسا اجر لینے والے مبلغ اور مجاہدین ہوں گے۔

☆...... جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت کفار کے ساتھ لڑتی رہے گی

دعائے مغفرت

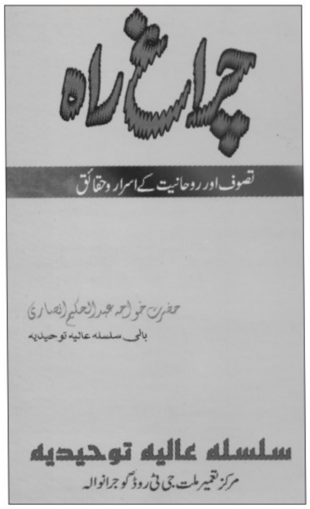
ملتان سے لیاقت بھائی کی والدہ

بقضائے الٰہی وفات پا گئی ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

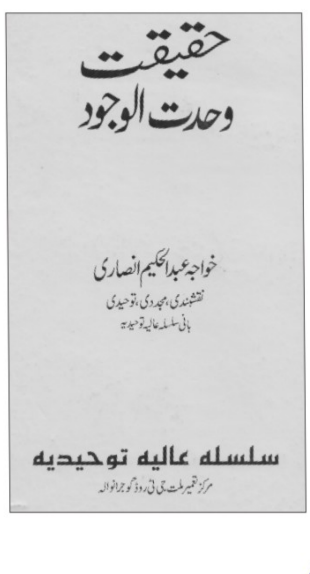
اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

مرحومہ کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

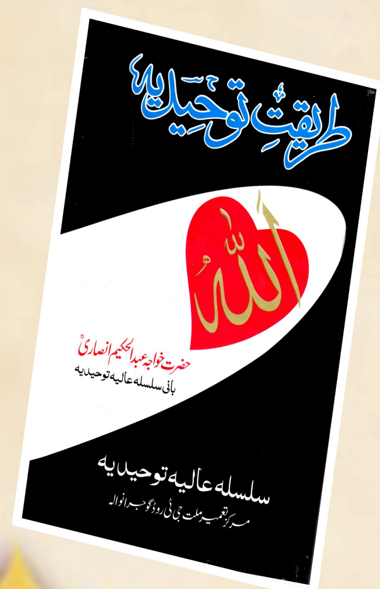


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com